چاہِ یوسف

بقلم

نگاہ راحیل

NOVEL HUT

All rights are reserved by the author , you can't copy or

steal any of the scenes written in this novel .

If you do so, serious action will be taken .

JazakAllah

NOVEL HUT

چاہِ یوسف بقلم نگاہ احیل

قسط نمبر 1

باب نمبر 1

"پرائی ہستی"

شاداب رہنے کو جی کرے اس پرائی ہستی میں

نہ جانے کیوں یکلخت یاد آئے اس کی قلبِ ہستی میں

فراموش کرنا چاہیں تلخیاں جو میسر ہوئیں اس بے رحم ہستی میں

کئی گنا زیادہ بڑھ چڑھ کر یاد آئیں وہ پل اس موہوم ہستی میں

اس کے ساتھ گزارا گیا ہر لمحہ اس ناپائیدار ہستی میں

ہمارے لیے مانند تھا گوہرِ نایاب کے اس فانی ہستی میں

ہر لمحے رہنا چاہیں ہم اُس خواب کی سی ہستی میں

نہ جانے کیوں نہ چاہتے ہوئے بھی واپس آنا پڑے اس موقت ہستی میں

ہر پل جی گھبرائے اس پرائی ہستی میں

نہ جانے کب روح آزاد ہو کر روانہ ہو گی اُس لافانی ہستی میں

زندگی مانند ہے اپنے لیے قید کے اس زود گذر ہستی میں

سلاخیں قید کی نہ جانے کب فنا ہوں گی اس گذرا ہستی میں

کب تک پناہ لیتے رہیں گے اشیائے فانی ہستی میں

NOVEL HUT

کام نہ آئے اِک بھی شے نجاتِ غم دلانے کے لیے اس پرائی ہستی میں

فیروزہ و نیلم جو یسر ہوئے اس خاکی ہستی میں

نہ جانے عروج کیوں نہ مل سکا اس زوال پذیر ہستی میں

جہاں دہرائیں نگاہؔ اس پرائی ہستی میں

نظر صرف تو ہی آئے اس پرائی ہستی میں

(بقلم نگاہ راحیل)

* * * * * * * * * * * * *

NOVEL HUT

دن رات تھکائیں یہ وجودِ ناتواں ہم

حاصل کیوں نہ ہو پھر بھی وہ، جو تھا حق ہمارا

کراچی، پاکستان۔

یہ جنوری کا مہینہ تھا۔ شعبان کا مہینہ چل رہا تھا۔دھیرے دھیرے رمضان کی خوشبو نزدیک آرہی تھی۔ 1993ء میں رمضان جیسا مقدس مہینہ سردیوں میں آیا کرتا۔

ہوا میں اچھی خاصی خنکی شامل تھی۔ اداس سے بھیگے ہوئے پودے یوں جھکے ہوئے تھے جیسے مراقبے میں گھاس نکھری کھڑی ہو۔ نم آلود مٹی کی بھینی بھینی خوشبو ہر سو رقص کر رہی تھی۔افق پر چھائے بادل بے حد گھرے تھے۔۔یوں معلوم ہوتا کہ کچھ ہی دیر میں ہر طرف ایک بار پھر برسات شروع ہو جائے گی۔

NOVEL HUT

ایسے میں کراچی کے علاقے" کلفٹن "سے گزرنے کے بعد وہ ٹویوٹا لینڈ کروزر متوازن رفتار کے ساتھ اس کچی اور خستہ حال مرکزی شاہراہ پر رواں دواں تھی۔ اس مصروف سڑک کی حالت کچھ یوں تھی کہ گویا خشکی میں یہاں

موٹر گاڑیاں ڈگمگاتیں اور اگر بارش ہو جائے تو یہاں کشتیاں چلائی جا سکتیں۔ کھڈے، کھائیاں اور گڑھے جا بجا موجود تھے۔۔ اور سواری کا سوار سمیت کسی وقت بھی تختہ الٹ سکتا۔یہاں بسنے والوں کو یہ امید تھی، کہ کچھ عرصے بعد ان سڑکوں کی حالت ایسی نہیں رہے گی۔۔ مگر کون جانے کہ کافی عرصہ گزر جانے کے باوجود بھی یہ سڑکیں یونہی خستہ حال رہیں۔اب اس میں قصور کس کا تھا؟

لیکن یہ صرف اس سڑک کا حال نہ تھا، کراچی کی زیادہ تر سڑکوں کا کچھ یہی حال تھا۔۔ اور کچھ کا تو اس سے بھی بدتر۔ حکومت ان سڑکوں کی مرمت کے لیے کئی فنڈز لیتی تو ہے، لیکن ان کا استعمال نہ جانے کہاں ہوتا ہے۔ ان سڑکوں پر چلنے والی سواریوں سے بھی حکومت بہت سے محصول وصول کرتی ہے، لیکن نہ جانے اس محصول کا استعمال ان بدحال سڑکوں پر نظر کیوں نہیں آتا۔

وہ لینڈ کروزر یو ٹرن لے کر مڑی تو بائیں طرف کئی چھوٹی بڑی دکانیں ایک ہی قطار میں دکھائی دیتیں۔ ان ہی دکانوں میں سے ایک چھوٹے سے جنرل اسٹور پر نگاہ دہراؤ تو وہاں ایک دس گیارہ سال کا چھوٹا بچہ سہم کر کھڑا تھا۔ وہ اپنی عمر سے کچھ زیادہ ہی چھوٹا اور کمزور سا دکھائی دیتا۔ سردی کے باعث اس کے سوکھے ہوئے ہونٹ تھر تھرا رہے تھے۔۔ ہاتھوں کا بھی یہی حال تھا۔ لیکن ان کے یوں کانپنے کی وجہ صرف کراچی کی سردی نہ تھی۔ وہ ہاتھ جو پہلے کبھی نرم ہوا کرتے۔۔ جب سے اپنے وجود سے کئی زیادہ بھاری چیزوں کا بوجھ اٹھانے لگیں۔۔ تب سے کافی سخت اور کھردرے ہو چلے تھے۔

اس بچے کے بال یوں تھے جیسے ان میں کئی دنوں سے کنگھی بھی نہ کی گئی ہو، وہ پلکیں جھکائے خاموشی سے کھڑا اپنی سزا کا منتظر تھا، وہ سزا جو اسے تقریباً ہر روز دی جاتی، لیکن ہر مرتبہ خوف کی شدت اتنی ہی رہتی۔ شاید

کچھ عرصے میں وہ بھی باقیوں کی طرح اس سزا کا عادی ہو جائے، اور پھر کوئی خوف، کوئی تکلیف اس کے وجود کو اپنے حصار میں نہ لے۔

مردانہ شلوار قمیض کے اوپر ایک بند گلے والا سویٹر اور پاؤں میں پشاوری چپل پہنے ہوئے، وہ دکاندار اس بچے کے بالکل سامنے جا کھڑا ہوا۔ اس نے اپنے ہاتھ میں ایک بھورے رنگ کی لاٹھی نما بھاری شے اٹھا رکھی تھی۔ اس بچے نے نگاہیں اٹھا کر وحشت سے اس شے کو دیکھا جو اس کی غلطی کی سزا کا اعلان کر رہی تھی۔

لحظے بھر میں ہی اس نے وہ لاٹھی سیدھا اس بچے کے کندھے پر دے ماری۔ وہ کراہ کر پیچھے ہٹنے لگا تو اس نے اسے بازو سے دبوچ کر اپنے سامنے کیا۔

"غلطی ہو گئی مالک۔ صرف اس بار معاف کر دیجیئے۔ دوبارہ ایسا نہیں ہوگا۔" وہ بچہ سسک سسک کر بول رہا تھا لیکن سامنے کھڑے آدمی کے

NOVEL HUT

سخت تاثرات مدھم نہ پڑے۔۔ الٹا ان میں مزید درشتی در آئی۔ اور اس نے ایک بار پھر اس بچے پر اس لاٹھی نما شے سے وار شروع کر دیا۔

"کیسے معاف کر دوں تجھے؟ ہاں؟ میرا اتنا نقصان کر دیا تو نے۔ اب بتا! اس نقصان کی قیمت کون چکائے گا؟ تیرا باپ؟ چپ کیوں ہے۔۔ بول نا۔۔ ارے اٹھ۔" جب وہ اس سے مار کھا کھا کر زمین پر ڈگمگا کر گر گیا تو اس نے اسے گریبان سے پکڑ کر دوبارہ اپنے سامنے کیا اور ایک زناٹے دار تھپڑ اس بچے کے دائیں گال پر دے مارا۔

سردی کے باعث اسے اپنے گال پر تھپڑ پڑنے سے مزید تکلیف ہوئی۔ ایسے ہی جب اس کے کمزور وجود پر اس بھاری شے سے وار کیا جا رہا تھا تو سردی کے باعث تکلیف کی شدت مزید بڑھ سی گئی تھی۔

ارد گرد کھڑے لوگ یہ سب یوں دیکھ رہے تھے جیسے یہ ان کا روز کا معمول ہو۔۔ جیسے یہاں کھڑے سب افراد اس ظلم کے عادی ہو چکے ہوں۔۔ یا

پھر یہاں کھڑے تماشائی "انسان" نہیں "جانور" ہوں جنہیں معلوم ہی نہ ہو کہ ظلم کیا ہے اور ظلم کے خلاف بولنا کیا ہے۔

کچھ ہی فاصلے پر ایک اور دکان میں کھڑا نوجوان لڑکا یہ منظر دیکھ رہا تھا تو اس کی آنکھوں میں آنسو بھرے تھے، دل بار بار کہتا کہ وہ جائے اور جا کر اس بچے کو اس ظالم دیو کی قید سے آزاد کروا لے، مگر ذہن کے پردوں پر بار بار اپنے والدین کے الفاظ گونجتے کہ "بیٹا! باہر جا کر کسی کے معاملے میں کچھ نہیں بولنا نہیں تو نقصان صرف تمہارا ہی ہوگا۔ آج کل زمانہ اچھا نہیں ہے۔"

افسوس کی بات یہ تھی کہ یہاں موجود کچھ لوگ دل ہی دل میں یہ چاہتے تھے کہ وہ اس بچے کو بچائے لیکن ان کے دل و دماغ میں چلتے ہوئے اسی طرح کے الفاظ نے ۔۔ان کے قدموں میں بیڑیاں ڈال رکھی تھیں۔

کیا تھا اگر وہ سب مل کر اس بچے کو اس ظلم سے بچا لیتے؟ لیکن نہیں۔۔ ہر کسی کو یہاں صرف اپنی پرواہ تھی۔کئی لوگ خاموش تھے، صرف اپنے لیے، اور یہ خاموشی ہی بتا رہی تھی کہ یہ معاشرہ کتنا مہذب اور شائستہ تھا۔

وہ دکاندار اب ایک بار پھر اس بچے کو بری طرح اس لاٹھی نما شے سے پیٹ رہا تھا۔ اردگرد موجود لوگ اپنے اپنے کاموں میں مگن تھے۔۔ وہ نوجوان لڑکا جو دکان میں کھڑے اس بچے کو نم آنکھوں کے ساتھ دیکھ رہا تھا وہ اس معاشرے پر خوب ملامت کرتے ہوئے جا چکا تھا۔ لوگ یہ کیوں نہیں سمجھتے کہ سماج "ہم" سے ہی تو بنتا ہے۔

اس کم سن بچے کی آنکھیں امید کی کرنوں سے عاری تھیں۔۔ دل تاریکی کے گہرے سائے میں ڈوبا تھا۔۔ کوئی دعا بھی لبوں سے اب نہ نکلتی۔۔ جب اسے پہلی بار یوں مار پڑی تب اس نے خوب اپنے رب کو پکارا مگر اب وہ زبان سے کبھی خدا کو نہیں پکارا کرتا۔یوں لگتا جیسے اس ظلم نے اس سے اس کا ایمان ہی چھین لیا ہو۔

وہ سیاہ لینڈ کروزر اس جنرل اسٹور کے سامنے رکی۔ وہ پہلے یہاں سے گزرنے لگی تھی لیکن یوں معلوم ہوتا کہ اس کے اندر بیٹھے کسی شخص نے گاڑی واپس اس جنرل اسٹور کے سامنے موڑنے کی ہدایت دی ہو۔ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھلا۔۔ ایک سوٹڈ بوٹڈ آدمی جو یقیناً اس گاڑی کا ڈروائیور تھا ۔۔ اس نے گاڑی کی پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولا۔ گاڑی کی پچھلی سیٹ کا دروازہ کھلا تو اس نے قدم باہر رکھا۔۔ اور ایک گہری سانس اندر کو کھینچ کر گاڑی سے باہر نکلا۔

ڈرائیور نے دروازہ بند کر دیا اور مؤدب سے انداز میں اس کے ساتھ چلنے لگا کہ یک دم اس نے اسے ہاتھ سے وہیں رکنے کا اشارہ کیا۔ اس نے سر کو خم دیا اور خاموشی سے وہیں کھڑا رہا۔ ارد گرد چلتے لوگ رک کر ایک بار تو ضرور اس سیاہ چمکتی لینڈ کروزر کو دیکھتے۔۔ اور پھر اس وجیہہ ستائس سالہ مرد کو جس کی بھوری بادامی آنکھیں موٹی پلکوں سے بھری تھیں جو اس کی رغبت میں مزید اضافہ کرتیں۔۔ سید ھی اور موٹی سیاہ بھنویں سکڑی تھیں۔۔

ہونٹ بھرے ہوئے تھے خاص طور پر نچلا ہونٹ ۔۔ شیو ہلکی سی بڑھی تھی ۔۔ سیاہ مونچھیں زیادہ نمایاں تھیں ۔۔ رنگت گندمی تھی ۔۔ سیاہ بال چھوٹے کٹے تھے اور پیچھے کو جیل کے ساتھ سیٹ کیے گئے تھے۔

"کیا کر رہے ہو؟ کیا کر رہے ہو؟" اس ہینڈسم اور وجیہہ مرد نے اس وحشی دکاندار سے اس چھوٹے سے معصوم اور کمزور بچے کو چھڑواتے ہوئے برہمی سے کہا۔

وہ بچہ اس کے ساتھ جا کر لپک گیا۔۔ ایسا لگا تھا جیسے خدا نے اس بچے کے لیے کوئی فرشتہ نازل کر دیا ہو جو اسے اس درندے سے بچا کر لے جائے گا۔ اس دوران پہلی بار اس بچے کی آنکھوں میں کوئی امید کی کرن جھلکی ۔۔ اور اس نے اسی امید کے ساتھ سر اٹھا کر اپنے محسن کو دیکھا۔ یک دم اس بچے کے لیے یہ دنیا پرائی نہیں رہی تھی۔

"اے کون ہے تو۔۔" وہ دکاندار فوراً اسے دیکھتے ہوئے غرایا تو اسے صرف چند سیکنڈ ہی لگے تھے اس آدمی کو پہچاننے میں۔ اس نے یکلخت

اپنے سر پر ہاتھ مارا جیسے اسے یاد آگیا ہو کہ اس کے سامنے کھڑا آدمی کون ہے۔

"ارے صاحب ! آپ۔۔آپ یہاں کیسے؟" اس دکاندار کا لہجہ یک دم بالکل بدل سا گیا تھا۔ ارد گرد اب کی بار لوگوں کا ایک مجمع لگ گیا تھا جو صرف یہ دیکھنے آئے تھے کہ جو وہ نہیں کر سکے، وہ کوئی اور کیسے کرے گا۔

"کیوں مار رہے ہو اس معصوم کو؟" وہ بچہ جو اس آدمی کے سیاہ لمبے کوٹ کے ساتھ لپکا کھڑا تھا۔۔تیز تیز سانس لیتا ہوا اس دکاندار کو دیکھ رہا تھا۔ اس کے ہونٹ کے کنارے سے خون کی بوندیں جو کچھ دیر پہلے کئی بار تھپڑ پڑنے کے باعث بہہ رہی تھیں۔۔ وہ اب سوکھ چکی تھیں۔

"یہ معصوم نہیں ہے صاحب۔ شکل سے جتنا معصوم لگتا ہے نا اتنا۔۔"

اس آدمی کے تاثرات یک دم مزید سخت ہو گئے۔

"میں نے پوچھا کیوں مار رہے ہو اسے؟" اور وہ اس دکاندار کو زہر خندہ نگاہوں سے گھورتے ہوئے کھنکھارا تو وہ یک دم خاموش ہو گیا۔

جواب نہ ملنے پر اس آدمی نے چند قدم اس کے قریب بڑھائے اور کچھ کہنے کے لیے لب کھولے کہ تب ہی وہ بولا۔

"یہ آپ کا معاملہ نہیں ہے صاحب۔ آپ دور رہیے اس معاملے سے۔" یہ الفاظ سنتے ہی اس بچے نے اس آدمی کے سیاہ کوٹ کو مزید مضبوطی سے پکڑ لیا۔۔ ڈر تھا کہ کہیں وہ چلا نہ جائے۔ اس آدمی نے کرب سے اس بچے کو دیکھا اور پھر اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرا۔

"تم مجھے جانتے نہیں ہو ابھی۔ اگر میں کہیں ظلم ہوتا دیکھوں تو میری غیرت مجھے یہ گوارا نہیں کرتی کہ اس ظلم پر کسی جانور کی طرح آنکھیں اور کان بند کر کے خاموش رہوں۔۔ جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔" اس نے ارد گرد کھڑے تمام افراد کو غصیلی نگاہوں سے تکتے ہوئے چبا چبا کر کہا تو اطراف میں کھڑے کئی لوگ چہرے چھپانے کی خاطر مجمع چھوڑ کر جانے لگے۔ وہ درحقیقت اپنے کھوکھلے پن اور بے حسی کا بھید کھل جانے پر میسر ہونے والی شرمندگی چھپا رہے تھے۔

"کیوں مار رہا تھا یہ تمہیں؟" وہ آدمی گھٹنوں کے بل اس بچے کے سامنے بیٹھا۔ وہ بچہ خاموشی سے آنکھیں پھیلائے اسے دیکھ رہا تھا۔

اس نے اپنے کوٹ کی جیب سے ایک ٹشو پیپر نکالا۔۔ اور اس بچے کے ہونٹ کا وہ کنارہ جس میں سے خون رس رس کر سوکھ چکا تھا۔۔ اسے نرمی سے صاف کیا۔

"ڈرو مت۔ بتاؤ مجھے۔ کیوں مار رہا تھا یہ تمہیں؟" اس نے اس بچے کے دونوں کندھوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا تو اس بچے کو یک دم تحفظ کا احساس ہوا۔ اور اب کی بار اس نے اپنے ساتھ ہوئے ظلم کو اس محسن کے سامنے بیان کرنے کا فیصلہ کیا۔

"وہ۔۔ وہ مجھ سے ۔۔۔ یہ بوتلوں والا ڈبہ گر گیا ۔ تو ساری شیشے کی بوتلیں ٹوٹ گئیں۔" اس نے کچھ ہی قدموں کے فاصلے پر اشارہ کیا جہاں ایک ہلکے بھورے رنگ کا ڈبہ گرا تھا اور ساتھ ہی کئی سافٹ ڈرنکس کی بوتلیں ٹوٹی

NOVEL HUT

گری تھیں۔اس آدمی نے یک دم افسوس سے سر جھٹکا۔۔ اور اس بچے کو گلے لگا لیا۔

وہ دکاندار "فضل خان" غصے اور بے چینی سے لب کچلتے یہ منظر دیکھ رہا تھا۔لحظے بھر کے بعد وہ آدمی زمین سے اٹھا۔۔ وہ بچہ ابھی تک اس کے ساتھ چپکا تھا۔

"کتنا نقصان ہوا تمہارا؟" اس نے اپنے کوٹ کی جیب سے والٹ نکالتے ہوئے بے حد سرد لہجے میں پوچھا۔

"صاحب وہ۔۔یہی کوئی بیس ہزار کا۔" اس نے جیسے ہی یہ سنا تو والٹ سے بیس ہزار کی بجائے تیس ہزار نکالیں اور اس کے چہرے کے سامنے طنزیہ انداز میں لہرائیں۔

"یہ رہے تمہارے پیسے۔ اور میری ایک بات کان کھول کر سن لو۔ اگر آج کے بعد تم نے اس بچے پر ہاتھ اٹھایا۔۔ تو مجھ سے برا اور کوئی نہیں

ہوگا۔ اب ایک بچے سے تم اس کی طاقت سے بھی کئی زیادہ کا بوجھ اٹھواؤ گے تو یہی ہوگا نا۔ بچہ ہے وہ۔۔ کوئی جانور نہیں۔ اور اس بچے کو تو کیا۔۔ اب اور کسی بچے کو بھی تم نے ہاتھ لگایا نا۔۔ تو اپنی الٹی گنتی شروع کر دینا۔" اور پھر اس نے وہ پیسے فضل خان کے منہ پر دے مارے۔ وہ اس کی توقع نہیں کر رہا تھا۔ اس بچے کی طرح باقی کھڑے تماشائیوں کا منہ بھی کھلا کا کھلا رہ گیا۔

فضل خان نے وہ نوٹ جو زمین پر گر گئے تھے، باری باری اٹھائے، ارد گرد کے افراد سے نگاہ ملائے بغیر اس نے وہ نوٹ گنے۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ اس نے پیسے زیادہ دیے ہیں، اس نے کچھ نہیں کہا اور یک دم اس کے چہرے پر ایک مکار سی مسکان پھیل گئی جسے اس نے چند ہی لمحوں میں غصے اور نفرت کے تاثرات سے ڈھانپ لیا۔ وہ سیاہ لمبے کوٹ والا آدمی اس کی بد دیانتی دیکھ کر زیر لب دھیرے سے طنزیہ انداز میں مسکرایا۔

"آپ ۔۔ آپ مجھے دھمکی دے رہے ہیں؟" کچھ لمحے پہلے کہے جانے والے الفاظ پر فضل خان نے پوچھا تو لہجہ سخت نہیں دھیما تھا۔

"دھمکی دینا میری عادت نہیں۔ میں جو کہتا ہوں۔۔ وہ اللہ کے حکم سے کر کے دکھاتا ہوں۔" اس نے شہادت کی انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے اپنے ہر لفظ پر زور دیا۔ فضل خان نے سر جھکا لیا۔۔یوں جیسے اس پر لرزہ سا طاری ہو گیا ہو۔

اب کی بار وہ آدمی دوبارہ اس بچے کے پاس گھٹنوں کے بل بیٹھا۔۔ اور اس کے کان میں کچھ کہا۔ وہاں کھڑے تماشائیوں نے ایک دوسرے کو سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔ فضل خان کا ان کی طرف دھیان نہیں تھا۔ وہ ایک بار پھر وہ نوٹ گن رہا تھا جو اس آدمی نے اس کے منہ پر دے مارے تھے۔

اس نے جو بیس ہزار کا مطالبہ کیا تھا وہ بھی جھوٹ تھا، اصل نقصان تو صرف دس ہزار کا ہوا تھا۔

"اور ہاں ! یہ میرا کارڈ رکھ لو تم ۔ اگر آئندہ اس نے تم پر ہاتھ اٹھایا تو مجھے کال کر دینا۔ اس پر میرا نمبر لکھا ہے۔ ٹھیک ہے؟" بچے کے سامنے سے اٹھتے ہوئے اس نے اسے والٹ سے اپنا کارڈ نکال کر تھمایا۔ اس بچے کی آنکھوں میں اب امید کی کئی لہریں جھلک رہی تھیں۔

جانے سے پہلے اس آدمی نے ایک تنبیہی نگاہ فضل خان پر ڈالی اور مڑنے ہی لگا تھا کہ وہ بچہ بولا۔

"شکریہ صاحب۔" اس کے لہجے میں بہت کچھ تھا۔۔ تشکر۔۔ امید۔۔ احسان مندی اور نہ جانے کیا کیا۔ اس نے مسکرا کر اسے دیکھا اور پھر اپنی لینڈ کروزر کی طرف بڑھنے لگا۔

NOVEL HUT

ڈرائیور نے اس کی سائیڈ کا دروازہ کھولا۔۔ اور واپس اپنی سیٹ سنبھال کر گاڑی وہاں سے لے گیا۔ اس کے جانے کے بعد اس بچے نے وہ کارڈ دیکھا جس پر اسی سیاہ لمبے کوٹ والے شخص کی تصویر کے ساتھ جلی حروف میں اس کا نام لکھا تھا۔

"حلیل ابراہیم۔"اس بچے نے اپنے محسن کا نام زیر لب دہرایا اور پھر اس کی زبان سے خود بخود اس کے لیے کئی دعائیں نکلنا شروع ہو گئیں۔ اتنے عرصے بعد اس نے اگر کوئی دعا کی، تو وہ خود کے لیے نہیں، بلکہ اپنے محسن کے لیے۔

* * * * * * * * * * * *

نہ پوچھ ہم سے کیا ہے رویا میں

بیاں نہ کر سکے جو زباں، فقط وہ ہے تصور میں

وہ بے حد خوبصورت اور پرفتن محل ایک سرسبز، شاداب اور متحرک باغ کے درمیان شاندار طریقے سے سر اٹھائے کھڑا تھا۔ اس کا پیچیدہ پتھر کا اگواڑا نرم آسمانی روشنی کے ساتھ چمک رہا تھا۔باغ میں مختلف اقسام کے رنگ برنگے اور دل فریب پھول اپنی دلکش مہک ہر سو پھیلانے میں

مصروف تھے۔ ہوا خاص طور پر گلاب اور موتیے کی میٹھی خوشبو اور ساتھ ساتھ چشمے کی نرم، سریلی آواز سے بھری ہوئی تھی۔

اس خوبصورت محل کے اندر نگاہ دہراؤ اور سیدھا عظیم الشان تخت والے کمرے میں جاؤ تو وہاں وہ معصوم، خوبصورت اور دل فریب شہزادی بیٹھی تھی جس کے چاروں اطراف میں بلند و بالا کھڑکیاں تھیں جو سورج کی روشنی کو مشکل سے خود سے گزار کر سنگ مرمر کے فرش پر رنگوں کا کلیڈوسکوپ ڈالتیں۔

شہزادی کے لمبے سنہرے کھلے بال سیدھے گھٹنوں تک آتے۔ اس نے سر پر ایک چمکتا ہوا سنہرے رنگ کا تاج پہن رکھا تھا جس پر وہ مشہور اور بیش قیمتی نیلے رنگ کا چمکتا ہوا ہیرا

"Oppenheimer Blue Diamond" نصب تھا۔

وہ اس وقت روشن ہلکے نیلے رنگ کے ریشمی گاؤن میں ملبوس تھی جو ستاروں کے تانے بانے سے بنا ہوا لگتا۔

اس کی آنکھیں بھی روشن تھیں۔۔ بے حد روشن۔ وہ خوبصورت شہزادی نزاکت سے اپنے گاؤن کو سنبھالتی ایک بلند و بالا کھڑکی کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔۔ اور بہت امید سے باہر کے نظارے دیکھنے لگی۔ ہمیشہ کی طرح وہ آج بھی اس کے انتظار میں تھی۔۔ اس کی آنکھیں اسے دیکھنے کے لیے ترس رہی تھیں۔

اس کھڑکی سے باہر دور دور تک شاندار پہاڑ دکھائی دیتے جن کی ناہموار چوٹیاں دھندلے نیلے رنگ کے پردوں میں ڈھکی ہوئی تھیں۔

پس منظر میں ایک خوبصورت چشمہ چھلکتا ہوا دکھائی دیتا اور اس کا صاف اور شفاف پانی سورج کی کرنوں کے باعث چمک رہا تھا۔ پرندوں کی

چہچہاہٹ اور خوشبودار پھولوں کا ہوا کے ساتھ ساتھ دھیرے سے رقص کرنا۔۔ شہزادی کے لیے اس منظر کو مزید مسحور کن بنا رہا تھا۔

شہزادی کے کانوں میں یک دم گھوڑے کی چاپ کی آواز سنائی دی جو دور کہیں سے آ رہی تھی۔ اس کے دل کی دوڑ تیز ہو گئی۔۔ بہت تیز۔۔ چہرے پر ایک دلکش مسکان پھیل گئی۔ گھوڑے کی چاپ کی آواز کچھ قریب سے سنائی دینے لگی۔ وہ خوشی سے الٹے پیر گھومی۔۔ اور مسرت بھرے انداز میں نزاکت سے گاؤن کو تھامے جھومنے لگی۔ وہ جس کا انتظار کر رہی تھی۔۔ وہ آگیا تھا۔۔ بالآخر اس منتظر شہزادی کا انتظار اپنے اختتام کو پہنچنے والا تھا۔

اور یہ کیا؟ ایک دم ہر شے بری طرح ہلکورے کھانے لگی۔۔ ہر سو عجیب سی تھر تھراہٹ پیدا ہو گئی۔ لیکن وہ شہزادی گھبرائی نہیں۔۔ بلکہ اس نے بیزاری اور اکتاہٹ سے ارد گرد دیکھا۔

"کچھ دیر اور۔ پھر میں پکا واپس آجاؤں گی۔" لہجہ التجائیہ تھا۔

لیکن ارد گرد موجود چیزیں مزید ہلکورے کھانے لگیں۔ جیسے یہاں زلزلہ آگیا ہو۔ اس نے برہمی اور ناگواری سے سر پر پہنا تاج ہاتھ میں پکڑا۔۔ چند لمحے اسے افسوس اور حسرت سے دیکھا۔۔ پھر اچھال دیا، وہ تاج مخملی قالین پر جا گرا۔

اور اب دور دور سے آوازیں بھی سنائی دینے لگیں۔

"Svegliati svegliati Mary!."

("اٹھ جاؤ اٹھ جاؤ میری!۔") وہ تئیس سالہ لڑکی کافی غصے سے اس نیند کی وادیوں میں گم ہوئے وجود کو جگا رہی تھی۔ وہ اطالوی زبان بول رہی تھی۔

"Cosa ti succede Emy?"

("کیا مسئلہ ہے تمہارا ایمی؟") بالآخر شہزادی کو خوابوں کی خوبصورت ہستی سے نکل کر پرائی ہستی میں واپس آنا پڑا۔

"مسئلہ میرا نہیں تمہارا ہے۔ "تمہاری نیند" جو کبھی ختم ہونے کا نام ہی نہیں لیتی۔ کتنی سست ہو تم!۔"اس نے اسے تقریباً جھڑکا۔ شہزادی بنام میری کروز پر کوئی اثر نہ ہوا۔ اس نے ارد گرد اس چھوٹے سے کمرے میں ایک نگاہ دہرائی۔

یہ کمرہ تو اس کے خوابوں کی دنیا سے بالکل مختلف تھا۔ چھوٹی کھڑکیاں جن پر سفید رنگ کے پردے ایک طرف کو کیے گئے تھے۔۔ دو سنگل بیڈ اور ایک چھوٹا سا دیوار پر ٹنگا آئینہ۔۔ وہ آئینہ جو اس کے سامنے ہمیشہ حقیقت آشکار کرتا کہ وہ" شہزادی میری کروز "نہیں۔۔ صرف میری کروز ہے۔ "مجھے اپنی "نیند" بہت پیاری ہے۔۔ پھر چاہے کوئی مجھے جتنا مرضی سست سمجھے۔۔ میں اپنی نیند کو کسی قیمت پر قربان نہیں کر سکتی۔" اس نے اپنی روم میٹ اور سہیلی ایمیلیا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔۔ اور پھر جھٹ سے کمبل میں کھسک گئی۔

ایمیلیا نے یہ دیکھ کر افسوس سے سر دائیں بائیں ہلایا جیسے کہہ رہی ہو کہ "اس کا کچھ نہیں ہو سکتا۔"

"Va Bene" (ٹھیک ہے)۔۔ اگر تمہیں تمہاری نیند اتنی ہی پیاری ہے تو سوتی رہو۔ میں کلاس لینے کے لیے جا رہی ہوں۔ تم مت آنا۔"اس نے کندھے پر پرس لٹکاتے ہوئے بے نیازی سے کہا تو میری نے کمبل سے منہ باہر نہیں نکالا۔

"سنو! ٹائم کیا ہوا ہے؟" آواز میں بیزاری تھی۔

"آٹھ بجنے میں صرف آدھا گھنٹہ باقی ہے۔"ایمیلیا نے کلائی میں پہنی گھڑی پر وقت دیکھتے ہوئے بتایا تو اس نے فوراً کمبل پیچھے کو سرکا۔

"تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں جگایا۔میں تو لیٹ ہو جاؤں گی۔" اس نے تیز تیز لہجے میں کہا اور بستر سے نیچے متلاشی نگاہوں میں ارد گرد دیکھا۔ وہ اپنے

جوتے ڈھونڈ رہی تھی۔ ایک تو وہ ہمیشہ جوتے کہیں نا کہیں اتار کر بھول جایا کرتی۔

اس نے ننگے پیر ہی ٹھنڈے فرش پر پاؤں رکھا ۔۔ وہ تو جیسے سردی سے ایک دم ہی تلملا اٹھی تھی۔۔ فرش ٹھنڈا یخ تھا ۔۔ اٹلی میں آج کل کچھ زیادہ ہی ٹھنڈ پڑ رہی تھی۔ ایمیلیا نے آنکھوں سے کچھ ہی قدموں کے فاصلے پر اشارہ کیا جہاں اس کے جوتے پڑے تھے۔۔ وہ فوراً اس طرف کو لپکی ۔۔ اور جوتے پہن لیے۔

"تم نے مجھے جلدی نہیں اٹھایا نا۔ خداوند تمہیں اس کی سزا ضرور دے گا ۔" وہ بڑبڑائی تو ایمیلیا جو اب اس کے انتظار میں بستر پر بیٹھ گئی تھی۔۔ یک دم چونکی۔

NOVEL HUT

"خداوند مجھے سزا تب دے گا نا جب میں اس پر ایمان رکھتی ہوں گی۔ میں تو اس پر ایمان ہی نہیں رکھتی۔۔ پھر وہ مجھے سزا کیسے دے گا؟" اس نے معنی خیز انداز میں شانے اچکا دیے۔

میری کی گردن میں ایک گلٹی سی ابھر کر معدوم ہوئی۔ اس کا ہاتھ نادانستہ طور پر گلے میں لٹکے اس لاکٹ کی جانب بڑھا جس میں ایک سرمئی رنگ کا چھوٹا سا" کراس" (سلیب) لٹکا تھا۔ وہ اس وقت اس سے بحث نہیں کرنا چاہتی تھی۔ کیونکہ ہر مرتبہ بحث میں فتح اسے نہیں، ایمیلیا کو ہی مل رہی ہوتی، لیکن ہر بار وہ بحث ختم کر دیتے، بغیر کسی قسم کے نتائج کے۔

"خیر۔۔ میں نے تمہیں کئی بار جگانے کی کوشش کی لیکن تمہیں تو اپنی نیند سب سے زیادہ عزیز ہے نا۔۔ اس لیے تم اٹھی ہی نہیں۔ اب جاؤ اور جا کر تیار ہو۔۔ مزید وقت ضائع مت کرو۔" اس نے اس کا دھیان ہٹاتے ہوئے رسٹ واچ پر وقت دیکھا۔

".Stai zitto"

("اپنا منہ بند کرو۔") وہ ناک سکوڑتے ہوئے مڑی۔۔ اور باتھ روم میں فریش ہونے کے لیے چلی گئی۔

"ہونہہ۔" ایمیلیا نے مسکرا کر سر جھٹکا۔۔ اور بستر سے اٹھ کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی جہاں اب مختلف قسم کی چھوٹی بڑی عمارتیں جن میں زیادہ تر ہوسٹلز اور فلیٹز تھے، دکھائی دیتے۔ وہ دونوں اس وقت جہاں موجود تھیں، وہ بھی ایک ہوسٹل تھا۔۔ جہاں انہیں یہ کمرہ کافی مناسب کرائے پر ملا تھا۔یہ کمرہ اتنا اچھا تو نہیں تھا۔۔ لیکن یہ چھوٹا کمرہ کچھ نہ ہونے سے تو بہتر تھا۔

(یہ اٹلی کے مشہور شہر بولوگنا کا علاقہ "Porta Maggiore" تھا جہاں کافی کم قیمت پر رہائش کے لیے مکان یا ہوسٹلز مل جایا کرتے۔

بولوگنا جسے اس کے قرون وسطی کے متعدد میناروں کی وجہ سے "Bologna la Turrita" یعنی "ٹاورز کا شہر" بھی کہا جاتا ہے، دراصل شمالی اٹلی کے

ایک علاقے "ایمیلیا روماگنا" کا دارالحکومت ہے۔ "Etrusan" دور یعنی (چھٹی-پہلی صدی قبل مسیح) کی بھرپور تاریخ کی یادوں کو خود میں سموئے، بولوگنا ایک اہم ثقافتی، اقتصادی اور علمی مرکز ہے۔

یہ اپنے لذیز کھانوں (جس کے باعث اسے "La Grassa" ("The Fat" چربیلا/چاق) بھی کہا جاتا ہے)، یونیورسٹی آف بولوگنا جو 1088 میں قائم کی گئی (جس کی وجہ سے اسے

"La Dotta" ("The Learned" سیکھا ہوا یا پھر عالِم) کہا جاتا ہے) اور قرون وسطیٰ کے فن تعمیر کی وجہ سے کافی مشہور ہے۔)

****

چاہ کر بھی فراموش نہ کر پائیں یادِ قلب کو

جتنا بھلانا چاہیں اتنا ہی یاد آئے وہ جانِ عزیز

لاہور، پاکستان۔

تاریخ تھی 20 فروری اور سال تھا 2023۔

رجب کا مہینہ چل رہا تھا۔ زندہ دلانِ شہر ،جو کبھی متحرک اور ہلچل مچانے والا شہر تھا، ایک گھنے سرمئی قہر میں ڈوبا ہوا تھا۔فروری کے مہینے میں موسم سرما کی دھند شہرِ صوفیاء پر نم اور ٹھنڈے کمبل کی طرح اتر آئی تھی۔سورج اس گھنی دھند میں اپنی کرنیں پھیلانے کے لیے جدوجہد کر رہا تھا، جس کے باعث سڑکوں پر ایک کمزور، نازک سی سنہری و نارنجی چمک گر رہی تھی۔ درخت جو کبھی ہرے بھرے اور سرسبز تھے، ان کی شاخیں دھندلے آسمان پر نازک قلم اور سیاہی کی طرح نقش ہو رہی تھیں۔دھوئیں (اسموگ) اور موٹر گاڑیوں سے خارج ہونے والے زہریلے دھوئیں نے فضا کو بھاری کر رکھا تھا۔

NOVEL HUT

سڑکوں پر نگاہ دہرائی جائے تو اکثر شاہراؤں پر گاڑیاں اوردوسری سواریاں ایک دوسرے کا راستہ کاٹتیں (اوورٹیک) کرتے ہوئے دکھائی دیتیں، ٹریفک

کا بہاؤ بالکل بھی رواں نہیں تھا، ہر کسی کو نہ جانے کس بات کی جلدی تھی۔

لاہور، پاکستان کے ثقافتی مرکز کا اپنی ہی غفلت کے بوجھ تلے دم گھٹ رہا تھا۔

ایسے میں منظر تھا بحریہ ٹاؤن کے اس خوبصورت دو منزلہ گھر کا جس کے باہر ایک بڑا سا سرسبز لان تھا جس میں کھڑا مالی " صابر جسے یہاں رہنے والے لوگ صابر چچا کہتے" موٹے کپڑے اور گرم ٹوپی (جو خصوصاً سردی سے بچاؤ کے لیے پہنے گئے تھے)، پودوں کو پانی دے رہا تھا۔ اس کی عمر پچاس سال سے اوپر ہی تھی۔

اس وقت پورچ میں گھر کے مالک کی سفید رنگ کی پراڈو کھڑی تھی، جو اکثر اس وقت یہاں موجود نہ ہوا کرتی۔ یہاں اس وقت اس کے ہونے کا مطلب یہی تھا کہ گھر کا مالک آج دفتر سے جلدی واپس آگیا ہے۔ وہ زیادہ تر

شام کو ہی واپس آیا کرتا۔ دوپہر کے وقت صرف تب ہی آیا کرتا جب گھر پر کوئی بہت اہم کام آپہنچا ہو، یا پھر یادِ عزیز نے دل و دماغ پر کافی شدت سے اثر کر دیا ہو۔

اس گھر کے اندر قدم بڑھاؤ تو راہداری میں سے گزرنے کے بعد ایک بڑا سا لاؤنج آتا۔ اس میں سے اوپر کی طرف جاتی ہوئیں بل کھاتی سیڑھیاں دکھائی دیتیں جس کے ذریعے لوگ دوسری منزل پر جا سکتے، اس سے اوپر کشادہ سی چھت تھی۔

اس لاؤنج کے دائیں طرف لونگ روم تھا اور بائیں طرف اسٹڈی روم۔ کافی قدم چل کر پیچھے جاؤ تو باورچی خانہ دکھائی دیتا جس میں اس وقت ایک ادھیڑ عمر خاتون "اریج بوا" کھڑیں دوپہر کا کھانا پکا رہی تھیں۔ ان کے ساتھ دو ایک اور ملازم بھی تھے جو کھانا بنانے میں مدد کروا رہے تھے۔ اریج بوا کو یہاں کام کرتے ہوئے آٹھ سال سے زیادہ کا عرصہ ہونے والا تھا۔ اس گھر کی سب سے پرانی ملازمہ وہی تھیں۔

لونگ روم میں نگاہ دہراؤ تو بلند کھڑکیوں پر ہلکے بھورے رنگ کے مخملی پردے گرے تھے، بتیاں مدھم تھیں، دروازہ ادھ کھلا تھا، اور وہ بڑے صوفے کے درمیان میں نیم دراز ہو کر بیٹھے تھے، سر صوفے کی پشت سے ٹکائے، آنکھیں بند کیے، جھڑیوں سے بھرے چہرے پر تکان کے ساتھ ساتھ ایک اور تاثر بھی خوب واضح تھا۔۔ کرب۔ سرمئی رنگ کا کوٹ صوفے کے ایک طرف پڑا تھا، پاؤں میں بھورے رنگ کے بھاری جوتے ابھی تک پہن رکھے تھے، یوں لگتا وہ ابھی ابھی آفس سے آئے تھے۔ عمر گزرنے کے باعث سیاہ بالوں میں شیبہ اتر آیا تھا۔

اس بڑے صوفے کے دونوں طرف دو سنگل صوفے پڑے تھے جن کا رنگ اس بڑے صوفے کی طرح ہی گہرا بھورا تھا۔ اور مرکز میں اسی رنگ کی میز پڑی تھی جس کے اوپر خوبصورت ہلکے سنہرے رنگ کا دسترخوان (ٹیبل میٹ) بچھا تھا۔ اس پر ایک ریڈیو پڑا تھا جو آج کل کے زمانے سے کافی پرانہ لگتا۔

اٹھ شاہ حسینا ویکھ لے، اسیں بدلی بیٹھے بھیس

(اے خوبصورتی کے بادشاہ دیکھیے ہم اپنے وجود سے غافل ہو گئے ہیں)

ریڈیو پر "غلام حسین ندیم "کا کلام گونج رہا تھا، جسے وہ شخص اکثر تب سنا کرتا جب "یادِ قلب" اسے ستایا کرتی۔

ساڈی جند نمانی کوکدی، اساں رل گئے وچ پردیس

(ہماری معصوم زندگی حسرت سے گاتی ہے، کہ ہم اس پرائی دنیا میں گم ہو گئے ہیں)

اس کی آنکھ سے ایک موتی لڑکھڑاتا ہوا گال کو چھو گیا۔ وہ بوڑھا وجود بظاہر تو خاموش تھا، لیکن دل سسکیاں لے لے کر رو رہا تھا۔ ایک وقت تھا جب یہ آنکھیں خوب گریا کیا کرتیں، لیکن پھر وہ وقت بھی آیا جب ان آنکھوں میں خوب گریا کرنے کی مزید قوت باقی نہ رہی، یوں جیسے آنکھوں کا پانی سوکھ چکا

ہو، زیادہ سے زیادہ ایک دو آنسو ہی یہ آنکھیں بہا پاتیں۔ شاید آنکھوں نے بھی صبر کا دامن سختی سے تھام لیا تھا۔

ریڈیو پر چلتا غلام حسین ندیم کا کلام جاری تھی، اور اس کے قلب کا سسکیاں لینا بھی جاری رہا۔

لونگ روم سے باہر جاؤ۔۔ اور صدر دروازے کی اور دیکھو تو وہاں سے وہ انیس سالہ لڑکی سرمئی رنگ کے پورے آستینوں والے بلاؤز، سیاہ ریشمی اسکرٹ اور ہم رنگ اسکارف میں ملبوس، اندر داخل ہو رہی تھی۔ گہرے بھورے رنگ کی آنکھیں اس قدر روشن تھیں جیسے ان میں سے روشنیوں کے چشمے چھلک پڑیں۔ چہرے کا رنگ نکھرا نکھرا سفید اور گلابی سا تھا، نازک اور باریک تیکھی ناک، سرخ ہونٹ، انچ انچ بھر ٹیڑھی اور گھنی پلکیں، ٹھوڑی کا حسین گڑھا حسن میں مزید اضافہ کرتا۔

"بابا! کدھر ہیں آپ؟ بابا!۔" وہ تیز تیز قدم چلتی ارد گرد متلاشی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی، آواز میں آج حد درجہ کی پرجوشی اور مسرت شامل تھی۔

وہ راہداری سے گزرتی لاؤنج میں آئی، ایک دو گہرے سانس لیے اور ڈائنگ روم میں گئی جہاں اس وقت کوئی موجود نہ تھا۔ وہ الٹے پیر واپس مڑی اور اپنے بابا کو ڈھونڈنے کے لیے لونگ روم کا رخ اختیار کیا۔ قدموں کی تیزی مزید بڑھ گئی۔

ساڈا ہر دم جی کر لاوندا، ساڈی نیر وگاوے اکھ

(ہر پل ہمارا دل آپ کی یاد میں تڑپتا ہے، اور ہماری آنکھیں آپ کی یاد میں اشک بہاتی رہتی ہیں)

NOVEL HUT

اس شخص نے یک دم اپنی آنکھیں کھولیں جو ہلکی گلابی پڑی تھیں جو کئی دکھ اور تکالیف اپنے اندر سموئے ہوئے تھیں۔ لونگ روم میں سوگواریت کا ماحول مزید بڑھ سا گیا تھا۔

اساں جیوندی جان مر گئے، ساڈا ما دھو ہویا وکھ

(ہم بظاہر زندہ معلوم ہوتے ہیں مگر ہم میں جان باقی نہیں، جب سے ہمارا محبوب ہم سے جدا ہوا ہے)

وہ بوڑھا وجود دوبارہ سے اپنا سر صوفے کی پشت کے ساتھ ٹکانے لگا کہ تب ہی لونگ روم کا ادھ کھلا دروازہ پورا کھلا اور وہ سامنے کھڑی دکھائی دی۔

"اوہ! تو آپ ادھر بیٹھے ہیں۔ میں ہوں کہ آپ کو پاگلوں کی طرح پورے گھر میں ڈھونڈ رہی ہوں۔" اس نے اداس سے ماحول میں زندگی کی تال سی چھیڑی تھی۔

اور اپنے بابا کا چہرہ دیکھ کر وہ سمجھ گئی تھی کہ وہ یہاں کیا کر رہے تھے۔ اسے دیکھ کر اس کے بابا نے پلکیں آنکھوں پر گرائیں، جیسے غور سے دیکھا ہو کہ کون آیا ہے، پھر آنکھوں میں ہاسیت اور مانوسیت ابھری۔

انہوں نے ریڈیو بند کیا اور کچھ کہنے کے لیے لب کھولے ہی تھے کہ تب ہی نورالنسا نے انہیں کچھ بولنے نہ دیا۔

"اوہ ! میں بھول گئی۔۔ اسلام علیکم۔" وہ انہیں سلام کرتی ہوئی کمرے میں پورا داخل ہوئی۔۔ کھڑکی سے پردے ہٹائے۔۔ دوپہر میں آفتاب کی سنہری کرنیں کھڑکی کے بند شیشوں سے ٹکرا کر واپس کو جاتی ہوئی دکھائی دیں۔ اس نے کمرے کی ساری بتیاں بھی روشن کر دیں اور ان کے ساتھ بڑے صوفے کے ایک طرف کو آبیٹھی۔

"وعلیکم اسلام۔ کیسی ہے میری نورِنظر؟" انہوں نے بے حدپیار اور اپنائیت سے پوچھا۔ آنکھوں کی گلابی اب مدھم پڑ گئی تھی۔۔ بالکل کچھ دیر پہلے چہرے پر چھائی رنجیدگی کی طرح۔

"آپ کی نورنظر بالکل ٹھیک ہے۔ بلکہ آج تو کچھ زیادہ ہی ٹھیک ہے۔" اس نے مسکراتے ہوئے ابرو اچکائے، انداز میں کچھ خاص تھا۔

"اچھا۔ خیر تو ہے۔ ایسا کیا ہو گیا؟" انہوں نے اسے سوالیہ نگاہوں سے ہلکا

سا مسکراتے ہوئے تکا۔

"بابا ! آپ کی نور نظر۔۔ یعنی "نور النسا" نے ۔۔" وہ کہتے کہتے رکی۔۔ جیسے ماحول میں تخفیف پیدا کرنا چاہ رہی ہو۔

"نے ؟"انہوں نے فوراً پوچھا۔ اس نے ایک گہری سانس اندر کو کھینچی، اور پھر صوفے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"آپ کی نور النسا نے IELTS پاس کر لیا ہے۔ اور جانتے ہیں میں نے 5.5 اسکور نہیں۔۔ 6 بھی نہیں۔۔" لہجہ بے حد تیز تھا۔

"7 ؟" انہوں نے یک دم بات کاٹی۔

"نہیں۔"اس نے معنی خیز اور تشکر بھری مسکان کے ساتھ نفی میں سر ہلایا۔

"8؟"انہوں نے دوسری بار تخمین لگایا۔

"نہیں۔" اور اس بار کا تخمین بھی غلط نکلا۔

"میں نے IELTS میں سب سے highest اسکور "8.9" اچیو (حاصل) کیا

NOVEL HUT

ہے۔" اب کی بار اس کی آواز قدرے بلند تھی۔ اس کے بابا کے جھڑیوں زدہ چہرے پر ایک بے حد دلکش مسکان پھیل گئی، وہ خوشی سے پھولے نہ سما رہے تھے۔

"اوہ ماشااللہ ماشااللہ! میری نور نظر۔۔ تم تو چھا گئی۔" انہوں نے اس کے سر پر بے حد نرمی اور شفقت سے ہاتھ پھیرا۔ وہ تشکر بھرے انداز میں ہنوز مسکرا رہی تھی۔

لحظے بھر کے بعد وہ ان کے دائیں طرف رکھے سنگل صوفے پر آبیٹھی۔ چہرے کی مسکان پھیکی پڑ گئی۔ نظریں جھکا لی گئیں۔

"کیا ہوا؟" انہیں تشویش ہوئی۔ اس نے یک دم آنکھیں اٹھا کر انہیں دیکھا ۔ گہری بھوری آنکھوں میں نمی کی کئی لہریں ابھر رہی تھیں۔ اور پھر ایک آنسو اس کی آنکھ سے نکلنے ہی لگا تھا کہ اس نے تب ہی ہاتھ کی پشت سے اپنی آنکھ رگڑی۔

"کچھ نہیں۔۔ وہ بس۔۔" اس کی آواز رندھی ہوئی تھی۔ وہ ساتھ ہی معنی خیزندازمیں دھیرے سے مسکرائی۔

"خوشی کے آنسو؟" ان کے سوال پر اس نے چند لمحے انہیں دیکھا۔

"جی۔" پھر مسکرا کر اثبات میں سرہلا دیا۔ وہ بھی جواباً مسکرا دیے۔یہ ان کے لیے کوئی نئی بات نہ تھی۔

نورالنسا ایسی ہی تھی، بات بات پر رو دینے والی، ایک بات جو خاص تھی وہ یہ کہ وہ ہر کسی کے سامنے اپنے دکھوں اورتکالیف پر رویا نہیں کرتی، ہاں خوشی کے آنسو کسی کے بھی سامنے بہہ جاتے، مگر اندوہ، غموں اور الامات پر وہ اشک صرف اللہ کے سامنے بہایا کرتی۔

NOVEL HUT

"بہت مبارک ہو تمہیں بیٹا۔ اللہ تمہیں زندگی کے ہر میدان میں کامیاب کرے۔ تم ایسے ہی اپنے خاندان کا نام روشن کرتی رہو۔ "انہوں نے کافی فخر اورمان سے اس کے کندھے تھپتھپائے۔اس کی آنکھوں سے اب برسات جاری ہو چکی تھی۔

"آمین آمین۔ آپ اللہ سے دعا کیا کریں کہ وہ میرے علم کی شمع کبھی نہ بجھنے دے۔" وہ ہنوز اشک بہاتے ہوئے کہہ رہی تھی۔۔ اور وہ اسے دیکھ کر مسلسل مسکرا رہے تھے۔

"ہاں کیوں نہیں۔ اچھا اب یہ رونا دھونا بند کرو۔" انھوں نے کہا تو اس نے مسکرا کر دونوں ہاتھوں کی پشت سے آنکھیں صاف کیں۔۔ اور لحظے بھر کے لیے انہیں معنی خیز انداز میں دیکھا۔

"کیا ہوا؟" وہ اس کے یوں دیکھنے کی وجہ سمجھ نہ سکے۔

"آپ کو معلوم ہے نا! میں اپنے آنسوؤں پر قابو نہیں پا سکتی۔ اور آج تو میرا رونا بنتا بھی ہے۔کیونکہ یہ آنسو خوشی سے زیادہ تشکر کے ہیں۔ اللہ نے مجھے اتنا سب کچھ عطا کیا ہے۔۔ میں اس کا جتنا شکر ادا کروں وہ کم ہے۔" اس نے بے حد خوبصورت انداز میں کہا۔انھوں نے اس کی بات سننے کے بعد دھیرے سے سر ہلا دیا۔۔ جیسے کہہ رہے ہوں کہ واقعی اس کا رونا بنتا تھا۔

"بے شک اللہ انسان سے کچھ واپس لے کر۔۔ اسے اور بہت سے لوگوں۔۔ چیزوں۔۔ اور کامیابیوں سے نواز دیتا ہے۔" لہجہ اب کی بار قدرے بدل سا گیا۔ وہ اس کے بدلے ہوئے لہجے کی وجہ سمجھ گئے تھے۔

"لیکن ان کی کمی کا کیا جو اس نے واپس لے لی ہوں؟" اس نے سر جھکا لیا تھا۔۔ اور خود سے سوال کر رہی تھی۔ آواز اتنی آہستہ نہیں تھی کہ اس کے بابا کو سنائی نہ دیتی۔

"تمہیں ان کی یاد آرہی ہے؟" اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر انہوں نے پیار سے پوچھا تو اس نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا۔

"نہیں نہیں۔ میں بس ویسے ہی تھوڑی ایموشنل ہو گئی تھی۔ مجھے ان کی یاد نہیں آتی کیونکہ میرا ان کے ساتھ زیادہ وقت ہی نہیں گزرا۔ لیکن میں یہ جانتی ہوں کہ آپ کو "اُس" کی یاد آتی ہے۔" اس نے جب "اُس" کہا۔۔ تو وہ سمجھ گئے تھے کہ وہ کس کی بات کر رہی ہے۔ یہ سن کر ان کے چہرے پر

ایک تاریک سایہ سا لہرایا۔

* * * * * * * * * * *

راہِ فرار ڈھونڈا ابھی تو کس میں

غرق جو کرے وجودِ ناقص یہ ہمارا

1933ء کی نسبت اٹلی کا مشہور شہر بولوگنا باقی شہروں اور علاقوں کی طرح ہی اب کافی ماڈرن ہو چکا تھا۔۔ بہت سی نئی نئی عمارتیں۔۔ گھر۔۔ شاپنگ مالز۔۔ اور سڑکیں یہاں بن چکی تھیں۔ در حقیقت یہاں سب کچھ تبدیل ہو چکا تھا۔

رات کا آسمان انڈگو کا ایک گہرا سایہ پیش کر رہا تھا، جس کے اوپر چمکتے ہوئے ستاروں کا چھڑکاؤ ہوا پڑا تھا۔ ہوا کرکری اور ٹھنڈی تھی جو کھلتے ہوئے جیسمن اور نارنجی پھولوں کی میٹھی خوشبو خود میں سموئے ہوئے تھی۔

عجیب و غریب اطالوی قصبوں کی اگر بات کی جائے تو ان میں قدیم ،پتھر کے مکانات نرم سنہرے رنگ کی روشنیوں سے مزین تھے، جو کھڑکیوں سے باہر کو چھلک رہی تھیں۔

ٹیرا کوٹا ٹائل کی چھتیں چاندنی کی روشنی میں بے حد گرم جوشی سے چمکتی نظر آرہی تھیں، جو درحقیقت ایک دلکش سماں تھا۔

تنگ، موچی پتھر کی گلیاں خالی اور پرسکون تھیں، سوائے کسی قریبی بار سے ہنسی اور موسیقی کی آوازوں کے علاوہ۔ اسٹریٹ لائٹس جو پیچیدہ لوہے کے کام سے مزین تھیں، فرش پر ایک سنہری چمک ڈالنے میں مشغول تھیں۔

جیسے جیسے رات بولوگنا میں ڈھلتی، یہ منظر اور بھی دلفریب ہو جاتا، مہر آسمان پر بلندیوں کو چھونے لگتا، اور پورے شہر پر مہر کی چمک چھا جاتی۔

ایسے میں بولگنا کے نامور اور پوش علاقے "Centro Storico" میں نگاہ دہراؤ۔۔ وہ علاقہ جسے بولوگنا کا "قلب" کہتے ہیں، جو اپنی قرون وسطی کی عمارتوں، تنگ گلیوں اور ریسٹورنٹس کے لیے جانا جاتا ہے۔

موچی پتھر والی گلی میں، منفرد گھروں کی قطاروں میں سے ایک گھر اس کا بھی تھا۔ اس گھر کا بیرونی اگواڑا ایک شہد کے رنگ کا پتھر تھا جو پیچیدہ نقش و نگار اور آرائشی بالکونیوں سے مزین تھا۔ سامنے کا دروازہ ٹھوس لکڑی سے بنا، ایک خوبصورت لوہے کی دستک سے مزین، ایک تنگ داخلی ہال پر کھلتا۔ اس ہال کا فرش دلکش سنگ مرمر سے بنا تھا، اور اس میں ایک شاندار کرسٹل فانوس بھی تھا جو اپنی سنہری روشنی ہر سو پھیلانے میں مگن تھا۔

اس ہال سے آگے اگر نگاہ دہراؤ تو لکڑی کی سیڑھیاں دکھائی دیتیں، جو داخلی ہال سے اوپر کی طرف مڑتیں، اور اوپری منزل پر پہنچا دیتیں۔ اس وقت رات کے گیارہ بج رہے تھے، گھر کی ساری بتیاں روشن تھیں۔

NOVEL HUT

وہ شخص جیسے ہی گھر میں داخل ہوا، تو چپکے سے دھیرے دھیرے قدم لیتا اوپر اپنے کمرے میں چلا گیا۔ اس کا کمرہ اوپری منزل کے آخر میں جا کر تھا۔ اوپری منزل گویا ایک راہداری کی مانند تھی جس کے دونوں اطراف میں مختلف کمرے تھے، اور سب سے آخر میں جا کر، درمیان میں کر کے ایک کمرہ آتا، جو اس کا تھا۔

اپنے کمرے میں جا کر اس نے ارد گرد سرخ پڑتی نگاہوں سے دیکھا، اور پھر دروازہ بند کر دیا (مگر دروازہ لاک نہیں کیا۔۔ وہ شاید بھول گیا تھا۔۔ ذہن جو اپنے حواسوں میں نہیں تھا)۔

یہ کمرہ بہت بے ترتیب سا تھا، کوئی بھی شے یہاں اپنی جگہ پر نہیں تھی، مرکز میں ایک کنگ سائز بیڈ پڑا تھا جس پر چادر کئی دن پرانی بچھی تھی، تکیے بے ترتیبی سے ارد گرد پڑے تھے۔بیڈ کی سائیڈ ٹیبلز پر بھی بکھری ہوئی مختلف اشیاء پڑی تھیں، جیسے ان کا کوئی ٹھکانہ ہی نہ ہو۔ اس کے آنے سے پہلے

اس کمرے کی تمام بتیاں بجھی ہوئی تھیں، اور ابھی بھی انہیں جلانے کی زحمت کسی نے نہ کی۔ دیواریں ہلکے بھورے رنگ کی تھیں۔

بائیں جانب دیوار کی زیادہ جگہ ایک بڑی اونچی کھڑکی نے لے رکھی تھی، جس کے دو پٹ بالکونی میں جا کھلتے۔ اس پر سفید رنگ کے مخملی پردے گرے تھے۔یہ کمرہ بے ترتیب اور بکھرا بکھرا سا ہونے کے باوجود بھی اچھا لگتا۔ذرا سوچو اگر ہر شے یہاں ترتیب سے رکھی جاتی، پھر یہ کمرہ کتنا جاذبِ نظر لگتا؟ یہی بات اس کمرے کے مالک پر بھی لاگو ہوتی۔

اس بیس سالہ نوجوان نے اپنا رخ مرکز میں پڑی سنگھار میز کی جانب کیا جو بیڈ کی مخالف سمت میں پڑی تھی۔۔ اور پھر خود کو آئینے میں دیکھا۔

سنہرے بال جیل سے ایک طرف کو سیٹ تھے، سرمئی آنکھیں جو اب سرخ سے گلابی ہو چکی تھیں، مرجھایا ہوا۔۔ وحشت زدہ سا چہرہ۔۔ چھ فٹ تین انچ لمبا قد۔۔گہرے بھورے رنگ کا گرم کوٹ اور سیاہ جینز میں

ملبوس، اس شخص کی حالت اکثر ایسی ہی ہوتی۔ سانسیں بے ترتیب تھیں، جیسے کوئی نشہ سا ٹوٹ رہا ہو۔ کندھے سنگھار میز پر جھکے تھے، جیسے دل۔۔۔ جسم۔۔۔ اور روح تھک چکے ہوں۔

وہ شخص سنگھار میز سے ہٹا، اپنے کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالا اور اس میں سے ایک سفید رنگ کا چھوٹا سا پیکٹ نکالا۔ چند لمحے اسے معنی خیز انداز میں گھورا۔۔ چہرے پر ایک عجیب سی مسکان پھیل گئی۔ اس نے وہ پیکٹ کھولا تو اس میں سے پاؤڈر سا باہر آیا جو اس نے اپنی ہتھیلی پر گرا دیا۔

"ہر کسی کو زندگی کی تلخیوں سے بچنے کے لیے کوئی فرار چاہیئے ہوتا ہے۔ میرے لیے وہ فرار تم ہو۔"

الیگزینڈر زیر لب بڑبڑایا تو یوں لگا وہ علیل تھا۔

NOVEL HUT

اس نشے نے اس کے جسم کو علیل کرنے کے ساتھ ساتھ اس کے دل۔۔ دماغ۔۔ اور روح کو بھی مصاب زدہ ۔۔ معاق اور وحشت زدہ کر دیا تھا۔

یک دم کسی نے باہر سے دروازے کا ہینڈل گھمایا تو اس نے مارے خوف اور گھبراہٹ کے اپنی ہتھیلی میں موجود اس نشہ آور پاؤڈر کو لکڑی کے ٹائلوں والے فرش پر گرا دیا۔ اور اس پر اپنے سیاہ رنگ کے بوٹ جما دیے۔

کمرے کا دروازہ پورا کھلا، اور باہر سے نمودار ہوتا وجود دیکھ کر اسے کوئی حیرت نہ ہوئی۔ البتہ دل کی دور ابھی بھی تیز تھی۔

("اگر انہیں کچھ معلوم ہو جاتا تو؟")

وہ شخص سیاہ رنگ کی گھٹنوں تک آتی قمیض اور اسی رنگ کے ٹراؤزر میں ملبوس تھا۔ گلے میں لٹکا سنہرے رنگ کا سلیب خاصا نمایاں تھا۔ چہرہ

جھریوں سے بھرا پڑا تھا جس کے باعث آنکھیں کافی چھوٹی لگتیں۔ بال بالکل سفید تھے۔

"Figliolo, cosa ci fai qui?"

("بیٹے! تم یہاں کیا کر رہے ہو؟")

اس بوڑھے وجود نے کمرے کی بتیاں روشن کرتے ہوئے اسے مخاطب کیا۔

"Niente di special."

("کچھ خاص نہیں۔")

اس نے خاصی اکتاہٹ اور بے نیازی سے کندھے اچکا دیے جیسے کچھ دیر پہلے وہ یہاں کھڑا ہو کر کسی قسم کا غلط عمل نہ کر رہا ہو۔

"تم نے کچھ کھایا؟" وہ بوڑھا وجود اس کی جانب بڑھا اور اس کے کندھے پر نرمی سے ہاتھ رکھا۔

"آپ نے؟" الیگزینڈر نے الٹا سوال پر سوال کر ڈالا۔

"تمہارے بغیر میں کھانا کیسے کھا سکتا ہوں؟" یہ سنتے ہی اس نے کندھے سے ان کا ہاتھ جھٹکا۔

"اوہ فادر! کتنی بار میں نے آپ سے کہا ہے کہ آپ میری پرواہ مت کیا کریں۔" بائیں طرف کھڑکی کے ساتھ پڑی الماری کی جانب بڑھتے ہوئے وہ اشتعال میں آکر تقریباً غرایا۔ اس کا یوں بات بات پر غصہ کرنا اس کی عادت بن چکا تھا۔ لیکن وہ پہلے ایسا نہ تھا، یہ بات یہاں کھڑے بوڑھے شخص جسے اٹلی کے لوگ "پادری(Padre)" اور "Reverendo Padre" کہہ کر مخاطب کرتے، کو اچھے سے معلوم تھی۔

(خطاب "Reverendo" لفظ "Reverend" سے نکلا ہے جس کے معانی "قابلِ احترام" یا "محترم" ہونے کے ہیں۔یہ اطالوی اور ہسپانوی لفظ ہے جسے لوگ عیسائی پادریوں کے ارکان کے لیے استعمال کرتے ہیں جیسے پادری، ڈینز، بشپ اور آرچ بشپ وغیرہ۔)

"لیکن آپ کو تو کچھ سمجھ ہی نہیں آتا۔ آخر کس مٹی کے بنے ہیں آپ؟"

الماری کا ایک پٹ کھولتے ہوئے اس نے مزید کہا تو وہ بوڑھا پادری خاموش رہا، جس طرح الیگزینڈر کو اب غصہ کرنے کی عادت ہو چکی تھی، کچھ ویسے ہی وہ بھی اس کا غصہ سہنے کا عادی ہو چکا تھا۔

"تمہارا کھانا فریج میں رکھا ہوا ہے۔ جب بھوک لگے تو کھا لینا۔" وہ عام سے لہجے میں کہہ کر مڑنے ہی لگا تھا کہ یک دم اس کے قدم جم گئے، ذہن کے پردوں پر جھماکہ سا ہوا۔

الیگزینڈر نے الماری سے اپنا نائٹ سوٹ نکالا اور اس کے دونوں پٹ زور سے بند کیے، پھر ایک نظر پادری کو دیکھا اور سر جھٹکا۔ وہ باتھ روم میں جانے ہی لگا کہ تب ہی اس نے اسے مخاطب کیا۔

"میں۔۔ تمہیں یہاں بتانے آیا تھا کہ ۔۔ میں نے تمہارا سائیکولوجی میں داخلہ کروا دیا ہے۔ وہ بھی تمہاری پسندیدہ یونیورسٹی میں۔" اور یہ سن کر

الیگزینڈر رک گیا۔۔ پھر مڑ کر اس بوڑھے شخص کی آنکھوں میں دیکھا۔۔ جیسے کچھ پوچھ رہا ہو۔

"University of Bologna." (یونیورسٹی آف بولوگنا۔) اس نے اپنے سر کو جنبش دیتے ہوئے مسکرا کر کہا۔۔ لیکن وہ نہ مسکرایا۔ بس یونہی چپ چاپ کھڑا رہا۔

"پوچھو گے نہیں کہ داخلہ کیسے ہوا؟" اس نے کچھ نہ پوچھا تو وہی بول اٹھا۔وہ جواباً مسکرایا۔۔ اس کی مسکراہٹ میں طنز۔۔ بے اعتنائی۔۔ کرب اور نہ جانے کیا کیا چھپا تھا۔

"جانتا ہوں۔ اسکالرشپ مل گیا ہو گا۔ ویسے اگر اسکالرشپ نہ بھی ملا ہوتا تب بھی آپ نے داخلہ کروا ہی لینا تھا۔ آپ کے پاس آخر کس چیز کی کمی ہے۔ ہے نا؟"اس کا رویہ بے حد سرد اور خشک تھا۔

"اوہ گاڈ تمہیں کیسے معلوم کہ تمہیں اسکالرشپ مل گئی ہے؟ کیا تم نجومی ہو؟" اس نے اس کے طنز کو سرے سے ہی نظر انداز کر دیا، کیونکہ وہ یہ طنز اس پر کئی بار کر چکا تھا۔ الیگزینڈر کے چہرے پر ہلکی سی بھی مسکان نہ ابھری۔

"آپ تو ایسے کہہ رہے ہیں جیسے یہ کوئی بہت ہی بڑی بات ہو۔ اتنے سال میں نے۔۔ "میں نے"(اس نے گریبان پر شہادت کی انگلی رکھتے ہوئے زور دے کر کہا) اتنی محنت کی ہے۔۔ پڑھائی میں دن رات ایک کیا ہے۔۔ اس لیے اسکالرشپ ملنا تو بالکل عام سی بات تھی۔ مجھے مل ہی جانی تھی اسکالرشپ۔۔ میں جانتا تھا۔" وہ طنطنہ، اکڑ اور غصے میں کہہ کر مڑنے ہی لگا تھا کہ یک دم وہ بولا۔

"تمہیں خداوند یسوع مسیح کا شکر گزار ہونا چاہیئے۔" اور اس نے وہی کہا جس سے اسے سب سے زیادہ چڑ تھی۔

"اوہ per favore (پلیز/ مہربانی کریں) یہ مت کہیے آپ۔ کم ازکم میری محنت کا کریڈٹ اپنے خداوند کو نہ لے جانے دیں۔ ہونہہ!۔"اس نے ماتھے پر ناگواری اور اکتاہٹ سے ہاتھ مارا۔

"توبہ کرو الیگزینڈر! توبہ کرو۔ یہ سب سن کر کہیں خداوند تم سے ناراض نہ ہو جائے۔" وہ ہمیشہ کی طرح اسے خوف دلانا چاہ رہا تھا، اس سے جس کا خوف اس کے دل سے کافی عرصہ پہلے ہی فنا ہو چکا تھا۔

"خداوند ناراض نہ ہو جائے۔۔ ہونہہ!۔۔ اس کی ناراضی کی فکر ہے کسے۔" وہ منہ میں طنزیہ انداز میں بڑبڑایا۔۔اور کھڑکی کے دائیں طرف دیوار کے حصے پر لٹکے سرمئی رنگ کے سلیب کو دیکھا، پھر برہمی اور استہزاء سے سر جھٹکا، اور باتھ روم کا دروازہ کھڑک سے بند کر کے اندر چلا گیا۔

"اسے معاف فرمائیے گا خداوند یسوع مسیح! یہ ابھی نادان ہے۔" باہر کھڑے اس پادری نے زیر لب فکرمندی سے کہا۔۔ اور پھر تاسف سے سر جھٹک کر کمرے سے باہر چلا گیا۔

****

دل نے کھائے جو زخم پہلے کبھی

پھر کیوں اِک جھلک پر یہ گھبرا جاوے

کافی دیر تک جب اس کے بابا نے کچھ نہ کہا تو اس نے نرمی سے ان کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھا۔۔ اور پھر انہیں مسکرا کر دیکھا۔ اس کے بابا کی آنکھیں ابھی بھی نم آلود تھیں۔ اسے دل ہی دل میں پچھتاوا ہوا کہ آخر کیوں اس نے اپنے بابا کو جانِ عزیز کی یاد دلائی۔ اگر اسے معلوم تھا کہ وہ اسے یاد کرتے ہیں، تب بھی اسے منہ سے نہیں نکالنا چاہیئے تھا۔ وہ خود کو خوب کوس رہی تھی۔

"بابا ! اچھا تو ۔۔آپ جانتے ہیں نا کہ میرا اگلا اسٹیپ کیا ہوگا ؟ " اس نے بات بدلی۔

"کیا ؟" وہ کچھ سمجھے نہیں، یا شاید دماغ کی روح کہیں اور بھٹکی ہوئی تھی۔

"بابا ! !۔" وہ یک دم کھنکھاری تو وہ اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ دل و دماغ میں چلتی یادوں کو کچھ دیر کے لیے بھگانا چاہا۔

(لیکن اپنوں کی یاد یا پھر کسی کھوئے ہوئے کی یاد، کبھی پیچھا نہیں چھوڑتی۔ یہ تب تک آپ کے ساتھ رہتی ہے جب تک آپ میں سانس باقی ہے۔)

"اوکے اوکے۔ میں جانتا ہوں تم نے سائیکولوجی پڑھنی ہے۔ رائٹ؟" انہیں جلد ہی یاد آگیا تو وہ بولے۔

"صرف یہی؟" وہ ابرو اکٹھے کر کے ذرا سا مسکرائی۔

"اور بھی کچھ کہنا تھا؟"اب کی بار انہوں نے اسے چھیڑا۔

"آپ اچھے سے جانتے ہیں کہ میں نے IELTS کا امتحان کیوں پاس

کیا۔"اس نے ایک وقفہ لیا۔

"بلکہ صرف پاس ہی نہیں۔۔ اس میں اللہ کے حکم سے۔۔highest score کیوں اچیو کیا۔"پھر مزید کہا۔

"کس لیے؟"چند ثانیے کے لیے انہوں نے اپنے ضعیف دماغ پر بظاہر زور دیا، پھر پوچھا۔ حالانکہ اس سوال کا جواب وہ اچھے سے جانتے تھے۔

ایسا ہو ہی نہیں سکتا کہ نور النسا سے تعلق رکھنے والے کسی بھی شخص کو اس سوال کا جواب معلوم نہ ہو۔ کیونکہ اس نے خود اپنے خواب کو زبان سے اتنی بار ادا کیا۔۔ کہ سب کو اس کا یقین آگیا کہ ہاں! نور النسا اللہ کے حکم سے ایسا کر سکتی ہے۔

NOVEL HUT

(جو شخص اپنے خواب کو اپنی زبان سے ادا نہ کر پائے، اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ اسے خود بھی اپنے خواب پر اور اپنے آپ پر یقین نہیں۔ سب سے بڑھ کر، اسے شاید اللہ پر بھی یقین نہیں کہ اُس تمام جہانوں کے

پروردگار کا اس پر پورا اختیار ہے کہ وہ انسان کا ہر خواب حقیقت میں بدل سکتا ہے۔)

"بابا!! اٹلی جانے کے لیے۔" جب انہوں نے کچھ نہ کہا تو وہ خود ہی بولی۔

یہ سن کر وہ دھیرے سے مسکرائے۔ اور صوفے سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

وہ بھی ان کے ساتھ ہی صوفے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

وہ کھڑکی کی جانب بڑھے، اور باہر پھیلے سرسبز لان کو دیکھنے لگے جہاں اب صابر چچا موجود نہ تھے۔ وہ یقیناً پودوں کو پانی دے چکے تھے اور اب دوپہر کا کھانا کھانے کی غرض سے اپنے کوارٹر میں گئے تھے۔

"اٹلی جانا ضروری ہے؟" انہوں نے مڑ کر، آنکھیں چھوٹی کر کے کچھ فکرمندی سے پوچھا۔ وہ جو ان سے کافی قدم دور کھڑی تھی، یہ سن کر تیز قدموں کے ساتھ ان کے تھوڑا قریب آئی، پھر قدرے بلند آواز میں مسکرا کر پرجوشی سے بولی۔

"آپ اب یہ تو نہ کہیں۔آپ جانتے ہیں کہ اٹلی جا کر۔۔ "University of Bologna" میں پڑھنا میرا خواب ہے۔"

"جانتا ہوں جانتا ہوں۔ تبھی تو تمہیں منع نہیں کیا۔" انہوں نے اس کے کندھے تھپتھپا کر کہا۔

"میں جانتی ہوں۔ آپ اپنی نور نظر کو اپنے خواب پورے کرنے سے کبھی منع کر بھی نہیں سکتے۔" اس نے ناک اونچی کر کے کافی مان سے کہا۔

"اب تم زیادہ مکھن مت لگاؤ۔" جواباً وہ دلکش انداز میں مسکرا دیے۔ ان کی مسکان کتنی خوبصورت تھی۔ اس نے ہمیشہ کی طرح انہیں مسکراتا ہوا دیکھ کر دل ہی دل میں اعتراف کیا۔

("کتنا اچھا ہونا کہ بابا ہر وقت ایسے ہی مسکراتے رہے۔")

"میں سچ کہہ رہی ہوں۔ آپ بہت۔۔ بہت اچھے ہیں بابا۔" وہ خوش دلی سے بولی۔ اور یہ جھوٹ بھی نہ تھا۔

"اچھا بس بس۔" وہ ایسے ہی تھے، اپنی تعریف سننا انہیں پسند نہ تھا یا شاید وہ عمر کے اس حصے میں آ چکے تھے جہاں اپنی تعریف سننا انسان کو کوئی خوشی نہیں دیتا۔ لیکن ان کے برعکس نورالنسا کو اپنی تعریف سننے میں کوئی قباحت محسوس نہ ہوتی۔

(نورالنسا یہ جانتی تھی کہ اگر انسان کو کسی قابلِ تعریف کارنامے پر سراہا جائے تو درحقیقت یہ اسی کی تعریف ہو گی جس نے اسے قابلِ تعریف کام کرنے کی صلاحیت، موقع اور توفیق بخشی ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ اس کا ماننا تھا کہ تعریف انسان کے لیے حصول اقبال یا محرک کے طور پر بھی کام کرتی ہے۔ یہ اللہ کی طرف سے ملنے والا ایک انعام ہوتا ہے۔۔ ایک بونس۔ اب اس انعام کا استعمال باقی تمام اشیاء کی طرح انسان پر منحصر ہے۔ کچھ اس کے باعث مغرور اور گھمنڈی ہو جاتے ہیں، تو کچھ مزید عاجز اور اپنے رب کے اور زیادہ شکر گزار ہو جاتے ہیں۔)

"تمہارا اٹلی کا ویزا پندرہ دنوں تک بن کر آجائے گا۔" کچھ دیر بعد یاد آنے پر انہوں نے اسے بتایا تو وہ یک دم چہک اٹھی۔

"ہیں؟ سچی؟"اس کی گہری بھوری آنکھیں سورج کی ہلکی ہلکی کرنیں پڑنے کے باعث مزید روشن ہو گئیں۔ یہ کرنیں اس کے بابا کے پہلو سے گزر کر اس کی آنکھوں پر گر رہی تھیں۔

"میں کبھی جھوٹ نہیں بولتا۔ تم جانتی ہو۔" اس کے سر کو پیار سے سہلاتے ہوئے وہ گویا ہوئے۔

"تھینک یو سو مچ بابا! تھینک یو سو مچ۔"اس نے دونوں ہاتھ باہم ملاتے ہوئے بے حد مسرت بھرے لہجے میں کہا۔

"اچھا اب جا کر فریش ہو جاؤ۔ تمہاری سہیلیاں آتی ہی ہوں گی۔" انہوں نے اسے یاد دلایا۔۔ وہ جانتے تھے کہ وہ اپنی سہیلیوں کی آمد کے بارے میں بھول گئی ہو گی۔

NOVEL HUT

"اوہ ہاں! نشرح اور مشعل ۔۔ انہیں میں نے ہی بلایا تھا۔۔ میں تو خوشی سے بالکل بھول ہی گئی۔۔ میں بس جلدی سے فریش ہو کر آتی ہوں۔" وہ الٹے پیر تقریباً بھاگتے ہوئے بولی۔ انہوں نے جواباً مسکرا کر اثبات میں سر ہلا دیا۔

"اللہ اسے ہمیشہ خوش رکھے۔ اسے کبھی کوئی دکھ نہ پہنچے۔ آمین۔" اسے جاتا دیکھ کر انہوں نے زیر لب اسے دعا دی۔

فی الحال ان کے ذہن پر چھایا وہ کرب کچھ کم ہو گیا۔ اس کی وجہ نورالنسا کی کامیابی کی خبر تھی۔ نورالنسا واقعی ان کے لیے خدا کا دیا گیا ایک قیمتی تحفہ تھی، جو ہر بار ان کے غموں اور دکھوں کو اپنی کسی نا کسی خوشی اور کامیابی کے ذریعے کم کر دیا کرتی۔

٭٭٭٭٭ ا ٭٭٭٭

کیا رکھا ہے اس مطلب پرست دنیا میں

NOVEL HUT

در حقیقت بہتر ہے وہ دنیا جو حقیقت نہیں

یہ بولوگنا میں موسم سرما کی ایک سرد صبح تھی۔ سورج دھندلی دھند میں کمزوری سے چمک رہا تھا جو موچی پتھر کی سڑکوں پر ہلکی ہلکی سی روشنی ڈال رہا تھا۔ ہوا بے حد کرکری تھی، جس کا درجہ حرارت جمنے سے کافی نیچے تھا۔

ایسے میں وہ دونوں ان موچی گلیوں کے بیچ و بیچ چلی جا رہی تھیں۔ وہ لڑکی جس کی رنگت دودھیالی تھی اور آنکھیں سنہرے رنگ کی تھیں، ارد گرد کے قدیم فن تعمیر کو دیکھ کر بے حد محظوظ ہو رہی تھی۔

اس نے اس وقت ایک گرم گہرے سبز رنگ کا لانگ کوٹ اور سیاہ ٹائٹس زیب تن کی ہوئی تھی۔ گردن کے ارد گرد سیاہ رنگ کا مفلر بھی لے رکھا تھا۔ جوڑے میں بندھے سنہرے لمبے بال، جن میں سے نکلتی دو ایک لٹیں چہرے پر گر رہی تھیں، اسے لمبے بال بے حد پسند تھے اسی لیے یہاں کی اکثر لڑکیوں کی نسبت اس کے بال کافی لمبے تھے۔

اس کے بر عکس ایمیلیا چہرے پر خاصی سنجیدگی قائم کیے، متوازن چال چلتی جا رہی تھی۔

"میری۔۔ جلدی چلو۔" اس نے اسے ذرا سختی سے کہا جو سوچوں میں گم گم سی، دھیرے دھیرے اس کے ساتھ چل رہی تھی۔ وہ جواباً کچھ نہ بولی، چہرے پر ایک بے حد دلکش مسکان قائم کیے ارد گرد کی دنیا کو دیکھتی، جسے اکثر لوگ دیکھنے کا اشتیاق نہیں رکھتے، چلی جا رہی تھی۔

راہ میں دائیں طرف اس نے دیکھا کہ ایک آدمی ہاتھ میں سیکزوفون لیے کافی بلند آواز میں اس دور کا مشہور اطالوی گیت گنگنا رہا تھا۔ وہ سفید رنگ کے لمبے اوورکوٹ (جسے دیکھ کر تو یہ لگتا کہ وہ بیش قیمت ہوگا لیکن در حقیقت ایسا نہ تھا) اور اسی رنگ کی پینٹ میں ملبوس تھا۔ اوورکوٹ کے کاج میں ایک سنہرے رنگ کا چمکدار مصنوعی گلاب کا پھول آدھ کھلا اٹکا ہوا تھا۔ سر پر سفید رنگ کی فلیٹ ہیٹ مخصوص انداز میں ٹیڑھی کر کے رکھی ہوئی تھی۔

اس کے شانہ بشانہ کھڑی لڑکی اس کے ساتھ ساتھ گنگنا رہی تھی۔ جامنی رنگ کا آدھی آستینوں والا فراک جو گھٹنوں تک آتا، برہنہ ٹانگیں، اور سرخ رنگ کی ہائی ہیلز پہنے، وہ وائلن بجا رہی تھی۔

میری ان کے قریب پہنچی تو ان کے گیت کی دھن میں اسے ایسا لگا کہ وہ تمام فکر و افکار بھول جائے گی۔ اور ایسا ہی ہوا۔ وہ یک دم سب کچھ بھول گئی۔۔ یہاں تک کہ اپنا آپ بھی۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں، اور اس پرائی ہستی سے ایک بار پھر اس کی روح نے خواب کی ہستی کا سفر طے کیا۔ وہ دنیا کی الجھنوں سے بے نیاز ہو کر موسیقی کی دھن میں محو ہوئے سر ہلا رہی تھی، اور ساتھ ساتھ بے حد دلفریب انداز میں مسکرا دیتی۔ نفس، قلب اور روح موسیقی کی دھن کے ساتھ یکجا ہو کر رقص کر رہے تھے۔ وہ دونوں ہاتھ کی شہادت کی انگلی دھن کے ساتھ ساتھ ہوا میں لہراتی۔ اس کی ذات ایک بار پھر "میری کروز" سے "شہزادی میری کروز" میں تبدیل ہو چکی تھی۔

NOVELHUT

وہ موسیقار اسے یوں گم سا۔۔ مسحور سا دیکھ کر مزید جوش و خروش کے ساتھ موسیقی بجانے لگے۔۔ میری اب کی بار زبان سے وہ گیت گنگنانے لگی، اور جیسے ہی موسیقی اونچے نوٹ پکڑتا، وہ ہاتھ سے چٹکی بجاتی۔

یک دم اس کے بازو کو کسی نے بری طرح جھنجھوڑا تو وہ اس ہستی سے باہر نکلی، جس میں وہ ابدی طور پر رہنے کی آرزو کیا کرتی۔۔ اس ہستی کا بلبلا ہوا میں کہیں تحلیل ہو گیا۔

"اپنے خیالوں کی دنیا سے باہر نکلو اور اصل زندگی میں لوٹ آؤ۔" ایمیلیا نے کافی غصے سے کہا اور اسے بازو سے کھینچتے ہوئے اپنے ساتھ لے جانے لگی۔

لیکن میری ان موسیقاروں کو گردن موڑے مجذوب اور مسحور سا ہو کر دیکھتی رہی۔

"اف ! چھوڑو مجھے۔" لحظے بھر کے بعد اس نے اپنا بازو چھڑواتے ہوئے چڑ کر کہا اور اس کی جانب پورا مڑی۔ سنہری آنکھوں پر تیوریاں چڑھائے،

وہ منہ پھلائے ایمیلیا کو گھور رہی تھی۔ ٹھنڈی ہوا کے باعث اس کے سنہرے بالوں کی لٹ بار بار اس کے چہرے پر آکر گرتی جسے چہرے سے ہٹانے کی وہ زحمت نہ کرتی۔

"تمہیں نہیں معلوم ایمی۔۔ خوابوں کی دنیا کتنی حسین ہوتی ہے۔ وہاں سب کچھ آپ کے مطابق ہوتا ہے۔ وہاں کوئی پابندیاں نہیں ہوتیں۔ وہاں بس وہی کچھ ہوتا ہے جسے آپ چاہتے ہیں۔ کوئی پریشانی ۔۔ کوئی غم۔۔ آپ کو چھو بھی نہیں سکتا۔ ایسی ہوتی ہے خوابوں کی دنیا۔ کوئی شے ۔۔ یا شخص۔۔ جو آپ کو کبھی نہیں مل سکتا۔۔ وہ اس دنیا میں آپ کو میسر ہوتا ہے۔" وہ خوش دلی سے ہوا میں بازو پھیلائے اسے گنوا رہی تھی کہ آخر کیوں اسے فانتسیا (فینٹسی) پسند ہے۔ لیکن دوسری جانب وہ سینے پر بازو لپیٹے کافی بے دلی اور بے زاری سے اسے گھور رہی تھی، جیسے کہہ رہی ہو کہ "اس کی بکواس اور کتنی دیر سننی پڑے گی۔"

"لیکن تم جیسے بورنگ لوگ خوابوں کی دنیا کے بارے میں کیا جانو۔

ہونہہ!۔" اس کے تاثرات سے اس کے خیالات کی روح کو بھانپتے ہوئے، وہ تڑخ کر بولی اور اس کے ساتھ چلنے لگی۔

"دراصل ہم جیسے لوگ بورنگ نہیں۔۔ حقیقت پسند ہوتے ہیں۔" چلتے چلتے وہ کچھ سوچ کر بولی۔

"جی نہیں۔ تم جیسے لوگ ایکسٹرا آرڈنری منفی ہوتے ہو۔"اس نے اس کی تصحیح کی تو وہ مسکرائی۔

"اب چلو بھی۔۔ بس کرو۔" لہجے میں شرارت شامل تھی۔

"ایمی! تم نہیں سمجھ سکتی۔ میوزک اور آرٹ انسان کو ہر پل یہ یاد دلاتا ہے کہ زندگی بے رنگ نہیں۔" میری نے رک کر بائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی اور انگوٹھا ہوا میں ایک دوسرے کے ساتھ ملاتے ہوئے، اپنے ہر لفظ پر زور دے کر کہا اور پھر خود ہی مسکرا دی۔ وہ ایسی ہی تھی، ہمیشہ ہنسنا

NOVEL HUT

مسکرانا اسے پسند تھا۔

"اب چلیں؟" وہ اکتاہٹ سے بولی تو اس نے منہ بنا کر اسے دیکھا۔

("کتنی بد ذوق ہے یہ لڑکی۔ ہونہہ۔")

"اف چلو!!۔" اور اب کی بار کلائی میں پہنی گھڑی پر وقت دیکھ کر وہ کچھ تیزی میں بولی۔ وہ دونوں واقعی لیٹ ہو گئی تھیں۔اور اس کی وجہ میری کروز ہی تھی، جس کا دنیا کو دیکھنے کا نظریہ ایمیلیا اور شاید یہاں بسنے والے کافی لوگوں سے مختلف تھا۔

****

پوچھا گیا تحائفِ خدا کے متعلق

اے دوست! میں نے تجھے گنوایا بار بار

وہ ابھی ابھی فریش ہو کر آئی تھی۔ہلکے نیلے رنگ کی گھٹنوں تک آتی قمیض اور سفید شلوار میں ملبوس، قمیض کے ہم رنگ دوپٹہ شانوں پر پھیلائے وہ

اب سنگھار میز کے سامنے کھڑی لمبے سیدھے کمر تک آتے بالوں میں برش کر رہی تھی۔ اس کے ریشمی خوبصورت بالوں کا رنگ "چاکلیٹ براؤن" تھا۔ کمرے میں ہر شے انتہائی نفاست اور ترتیب سے رکھی گئی تھی۔وہ ایسی ہی تھی۔۔ نفاست پسند۔

بالوں کو کیچر میں باندھنے کے بعد اس نے ایک نظر اپنے آپ کو آئینے میں دیکھا، کانوں میں پہنے چاندی کے نازک چھوٹے سے ٹاپس کافی پیارے لگ رہے تھے۔ وہ انہیں دیکھ کر ہلکا سا مسکرائی۔ بھوری آنکھوں پر مسکارا لگایا۔۔ اور پھر لبوں پر ہلکی گلابی رنگ کی لپ اسٹک۔وہ تیار تھی۔

یکلخت اس کے کمرے کے دروازے پر کسی نے زور سے دستک دی۔ وہ پلٹی ۔۔ لبوں پر ایک شناسا سی مسکان پھیل گئی۔۔ جیسے وہ جانتی تھی کہ کون آیا ہے۔

NOVEL HUT

"کیا پاگلوں کی ڈاکٹر اندر ہیں؟ ان کے دو مریض آئے ہیں جنہیں ڈاکٹر صاحبہ سے کافی علاج کی ضرورت ہے۔ لیکن ان دو مریضوں کے پاس دینے کو دعاؤں کے سوا اور کچھ نہیں۔" باہر سے کسی نے کافی تیز لہجے میں مسرت بھرے انداز میں بولا۔ اس نے مسکراتے ہوئے دروازہ کھولا تو باہر کھڑیں وہ دونوں نظروں کے سامنے آشکار ہوئیں۔

"تم دونوں۔۔ اف اللہ! آئندہ مجھے پاگلوں کی ڈاکٹر کہا نا تو۔۔" اس نے شہادت کی انگلی سے ان دونوں کو تنبیہہ کرتے ہوئے کہنا چاہا لیکن اس کی بات ادھوری ہی رہ گئی۔

"تو کیا؟ آپ ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔پیاری۔۔ پاگلوں کی ڈاکٹر۔"ان دونوں میں سے وہ لڑکی اکڑ کر بولی جس کی آنکھیں گہری سیاہ رنگ کی تھیں۔۔ اور کندھوں تک آتے سیاہ بال ایک اونچی پونی میں بندھے تھے، سرمئی رنگ کے تھری پیس سوٹ میں ملبوس، پرکشش نقوش اور سانولی رنگت، "نشرح ابرار" یقیناً بے حد خوبصورت تھی۔

"بہت بہت مبارک ہو تمہیں۔ اللہ تمہیں بہت بہت کامیاب کرے۔"وہ دونوں لڑکیاں جن کی عمر نورالنسا جتنی ہی تھی، ہم آواز ہو کر خوش دلی اور پرجوشی سے بولیں، اور پھر اسے زور سے گلے لگا لیا۔

"اور بہت جلد تم ایک بہت بڑی پاگل(اس نے یک دم ماتھے کو چھوا۔۔ا ور زبان دانتوں میں دی)۔۔ اوہ میرا مطلب پاگلوں کی ڈاکٹر بنو گی۔" وہ لڑکی بولی جس کی رنگت گندمی تھی، گہرے بھورے رنگ کے بال کمر تک آتے، جنہیں اکثر اوقات کی طرح آج بھی اس نے کھلا چھوڑ رکھا تھا۔ عینک کے پیچھے سے آشکار ہوتیں بڑی آنکھیں ہلکے بھورے رنگ کی تھیں۔ وہ سرخ رنگ کے لانگ کوٹ اور سیاہ رنگ کی جینز میں ملبوس تھی۔ " مشعل ریاض "کافی پراعتماد اور پرکشش دکھتی۔

"مشعل !۔" نورالنسا نے اسے ٹوکا۔ پھر لحظے بھر کے لیے کچھ سوچا۔

"ہاں ٹھیک ہے۔۔ تاکہ پھر میں تم دونوں پاگلوں کا علاج کر سکوں۔"ایک آنکھ دباتے ہوئے اس نے ان دونوں کو چھیڑا تو یک بارگی ان دونوں کے

چہروں پر مسکان پھیلی جسے انھوں نے یوں غائب کیا جیسے اس میں کوئی ہنسنے کی بات ہی نہ ہو۔

"ہاہاہا! بہت ہنسی آئی نور۔" نشرح چڑا کر بولی تو یہ سن کر اس نے منہ بنا لیا۔

"اچھا اچھا مذاق کر رہی ہوں۔ تم تو سیریس ہی ہو جاتی ہو۔" نورالنسا کے گال پیار سے مڑورتے ہوئے وہ بولی اور اسے راستے سے ہٹا کر کمرے میں داخل ہوئی، پھر دھپ سے بیڈ پر جا بیٹھی۔

"تم بھی آجاؤ اندر۔ کس کا انتظار کر رہی ہو؟" مشعل کو اپنے ساتھ کھڑا دیکھ کر اس نے کہا تو وہ سر ہلا کر اندر بڑھی۔۔ پھر بیڈ پر جا بیٹھی۔ نور نے کھڑک سے دروازہ بند کیا۔۔ اور ان کے ساتھ آکر بیٹھی۔

"سنو! ٹریٹ کب دے رہی ہو؟" پوچھنے والی مشعل تھی، نور کی توقع کے عین مطابق۔

"ایک تو تم لاہوریوں کو کھانے کے علاوہ کچھ سوجھتا بھی ہے یا نہیں؟" اس

نے شرارت بھرے انداز میں پوچھا تو وہ دونوں بے شرموں کی طرح دانت نکالتے ہوئے ہنسنے لگیں۔

"ڈاکٹر صاحبہ اگر آپ کو یہ لگتا ہے کہ یہ سب کہہ کر آپ ہمیں شرمندہ کر رہی ہیں تو ایسا بالکل نہیں ہے۔" اب کی بار بولنے والی نشرح تھی۔ نور نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"پہلی بات۔۔ میرا تم دونوں کو شرمندہ کرنے کا کوئی ارادہ نہیں۔ " پھر مسکرا کر بولی۔

"اور دوسری بات۔۔ اب چلو میرے ساتھ بابا کب سے کھانے پر ہمارا انتظار کر رہے ہیں۔" وہ بستر سے اٹھتی ہوئی تھوڑا سنجیدگی سے بولی اور پھر دروازے کی جانب مڑ گئی۔ نشرح نے شانوں پہ اوڑھا سرمئی دوپٹہ سر پر لیا یوں کے اس کے صرف چوتھائی حصے کے بال آشکار ہو رہے تھے۔

"رکو!۔" اسے مشعل نے پکارا تو اس کے بڑھتے ہوئے قدم رکے، وہ الٹے پیر پلٹی اور اسے سوالیہ انداز میں ابرو سکیڑ کر تکا۔

"کھانے میں کیا ہے؟" اس نے فوراً پوچھا۔

"چلو جی۔۔ اسے بتا دیں پہلے۔" نشرح طنزیہ انداز میں بولی اور اس کے کندھے پر زور سے ہاتھ رکھا۔

"میں نے اریج بوا سے کہا تھا کہ آج بریانی۔۔ قورمہ۔۔ اور۔۔" نور سوچ سوچ کر بولنے لگی۔

"اور؟" اس نے چہک کر بولا۔۔ وہ مینیو سن کر کافی خوش ہوئی تھی، اور اس کی بھوک میں بھی قدرے اضافہ ہو گیا تھا۔ حالانکہ وہ گھر سے نان چنے کا ناشتہ کر کے آئی تھی، پھر بھی یہاں پہنچ کر اور ان سب کھانوں کے نام سن کر اس کے پیٹ میں چوہے دوڑنے لگے تھے۔

"سلاد۔۔ جو کہ لازمی ہے، وہ بنا دیں اور میٹھا اس لیے نہیں بنوایا۔۔ کیونکہ میں نے سوچا ہم مل کر میرے IELTS پاس کرنے کی خوشی میں کیک کاٹیں گے۔" اس نے آج کے دن کا سارا پلان ان دونوں کو بتایا۔ مشعل یک دم کچھ سوچنے لگی۔

"کیا سوچ رہی ہو؟"اس نے ابرو اچکائے۔

"کچھ نہیں۔۔ بس یہی سوچ رہی تھی کہ اس سے اچھا اور کیا ہو سکتا ہے۔" وہ بلند آواز میں کہتی بستر سے اٹھی۔

"تم دونوں کو شکر کرنا چاہیئے کہ تم دونوں کو مجھ جیسی۔۔"اس نے دونوں بازو سینے پر لپیٹتے، گردن اونچی کر کے بولنا چاہا لیکن اس کی بات مکمل نہ ہو پائی۔

"ہاں ہم دونوں کو تم جیسی پاگل دوست ملی۔ کیوں؟ صحیح کہا نا؟" بستر سے اٹھتی نشرح نے جب کہا تو وہ کھل کر ہنس دی۔

"اچھا بس بس۔۔ اب باتیں بند کرو نشرح بی بی۔۔ اور چلو!!۔" اور اسے بازو سے پکڑ کر مڑنے لگی۔

"یہ تم میرے نام کے ساتھ بی بی مت لگایا کرو۔ ایسا لگتا ہے کہ میں کوئی چالیس پچاس سال کی عورت ہوں۔" اپنا بازو چھڑواتے ہوئے وہ ناگواری سے بولی۔

"جو آپ کا حکم نشرح بی(اس نے ماتھے کو چھوا)۔۔ اوہ! نشرح ۔۔ اب ٹھیک ہے؟ اور اب میں آخری بار کہہ رہی ہوں کہ چلو۔"اسے اور مشعل کو بازو سے پکڑ کر وہ کمرے سے باہر تقریباً دوڑی۔

ان تینوں کی نوک جھوک ہنوز جاری رہی۔۔ مسکرانے اور قہقہہ لگانے کی آواز آج اس خوبصورت اور دلفریب گھر میں ہر سو گونج رہی تھی۔ آج موقع ہی ایسا تھا۔ ورنہ زیادہ تر اس گھر میں خاموشی کا ہی بسیرا ہوا کرتا۔

NOVEL HUT

****

یہ منظر کراچی کے ایک پوش علاقے کا تھا جہاں بڑی بڑی اور اونچی عمارتوں میں سے ایک کے سامنے وہ سیاہ لینڈ کروزر رکی۔ کچھ دیر پہلے ہلکی ہلکی بارانِ رحمت نے ہر شے کو بھگو دیا تھا، مگر اب بارش تھم چکی تھی۔

اس وقت دوپہر کا ایک بج رہا تھا۔ وہ گاڑی کا دروازہ کھول کر باہر نکلا۔۔ اور سیاہ سن گلاسز پہنے، لمبے لمبے ڈگ بھرتا اس عمارت کے اندر داخل ہوا۔ وہ جیسے جیسے آگے قدم لیتا، اسے دیکھتا ہر شخص مؤدب سے انداز میں سلام کرتا، جس کا وہ بے حد نرمی اور عاجزی سے جواب دیتا۔

عموماً لوگ اپنے ورکرز کو سر کے خم سے جواب دیا کرتے، صرف اپنی جھوٹی شان و شوکت قائم رکھنے کے لیے۔ لیکن حلیل ابراہیم ایسا نہیں تھا۔

NOVEL HUT

یہاں تک کے اس اونچی عمارت میں داخل ہونے سے پہلے وہاں کھڑے ضعیف چوکیدار نے بھی اسے سلام کیا تو اس نے خاص طور پر ان سے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔

"جیتے رہو بیٹا! جیتے رہو!۔" اس چوکیدار نے اپنے ضعیف اور کمزور ہاتھوں سے اس کے سیاہ بالوں پر ہاتھ پھیرا۔ یہ ان کا معمول تھا۔ وہ کبھی خود مصافحے کے لیے ہاتھ نہ بڑھاتے۔۔یہ حلیل ابراہیم ہی تھا جو ہمیشہ مصافحے کے لیے پہلے ہاتھ بڑھایا کرتا۔

لفٹ سے بالائی منزل پر پہنچتے ہوئے جہاں اس کا آفس تھا، وہاں ہر کسی نے اسے سلام کیا۔ یہ بات خاصی اہمیت رکھتی تھی کہ وہ ہر کسی کو سلام کا جواب ایک ہی جیسے انداز و رویے میں دیتا۔

وہ اپنے آفس میں داخل ہوا تو پاور چئیر خالی تھی۔ ڈیسک پر پڑی اشیاء بے حد ترتیب اور نفاست سے رکھی گئی تھیں۔ اس نے پاور چئیر سنبھالی اور ایک گہری سانس اندر کو کھینچی۔

بتا کیا خطا یا بے داقی سرزد ہوئی ہم سے

اتنا بغض، عداوت، کینہ جو پالا تو نے

کھڑکی جس پر پردے دونوں طرف کو سڑکے ہوئے تھے، اس سے آتی آفتاب کی کرنیں ڈیسک پر رکھے سامان پر گر رہی تھیں، اس نے ڈیسک پر پڑی ایک فائل کی جانب ہاتھ بڑھایا کہ یک دم اس کا ہاتھ رک گیا، اس نے نظریں اٹھا کر شیشے کے بنے ان دروازوں کے پار، اس وجود کو دیکھا جو کچھ ہی قدموں کے فاصلے پر کھڑا اپنی سیکرٹری سے بات کر رہا تھا۔ وہ تینتیس سالہ آدمی تھا، جس نے سفید رنگ کی شلوار قمیض پہن رکھی تھی۔ اس کے اوپر ایک گہرے رنگ کی بھوری شال اوڑھ رکھی تھی۔

وہ اپنی سیکرٹری سے ہمیشہ کی طرح کافی دوستانہ لہجے میں بات کر رہا تھا۔ اس کے حلیے کو دیکھ کر تو ایسا ہی لگتا کہ وہ غیر (نامحرم) عورتوں کے ساتھ اس طرح سے بات کرنا تو قطعاً ناگوار سمجھتا ہوگا۔ مگر ایسا نہیں تھا۔

اس آدمی نے سر پر ایک سفید رنگ کی ہی دستار پہن رکھی تھی، داڑھی خاصی بڑھی ہوئی تھی، ماتھے پر دو سیاہ نشان "محراب" کے طور پر خاصے نمایاں ہو رہے تھے۔

ایک بات جو قابلِ غور تھی، وہ یہ کہ وہ اس نامحرم لڑکی سے بات کرتا ہوا اپنے دائیں ہاتھ میں تھامی تسبیح کے دانے بھی گرا رہا تھا۔ نہ جانے کون سا ورد کر رہا تھا وہ۔

NOVEL HUT

"جب فائلز تیار ہو جائیں تو میرے آفس میں لے آنا۔ مجھے انتظار رہے گا۔" اس نے آخر میں ایک آنکھ دباتے ہوئے مسکرا کر کہا تو وہ دھیرے سے مسکرا دی۔

"جی۔ میں بس جلدی سے یہ فائلز تیار کر کے آتی ہوں۔" کانوں میں پہنے چمکتے ہوئے سونے کے ٹاپس کو مسلتی وہ خاصی بے تکلفی سے بولی۔

("واہ دین اور دنیا ساتھ ساتھ۔ میں تو کہتا ہوں، اگر زندگی اچھے سے گزارنی ہے تو افتخار صاحب کی طرح بنو۔" کچھ ہی فاصلے پر بیٹھے ایک ملازم نے دوسرے ملازم کے کان میں سرگوشی کرتے ہوئے کہا۔ دوسرے نے تائیدی انداز میں مسکرا کر سر جھٹکا۔

یہاں کرسیوں اور میزوں کی لمبی لمبی قطاریں بنی تھیں جن پر براجمان ورکرز میں سے تقریباً ہر کوئی ایک آدھ بار ان دونوں پر نگاہ ضرور ڈالتا۔)

"افتخار شاویز" کی نظر جب اس بڑے اور کشادہ آفس کی طرف گئی جہاں پاور چئیر پر براجمان وہ شخص اسے دیکھ رہا تھا، تو یک دم اس کی آنکھوں میں عجیب سی تکلیف اور ناگواری اڈ کر آئی۔ اس نے اپنی سیکرٹری "افشاں رانا" کو جانے کا کہا۔

اور پھر حلیل ابراہیم کی طرف پورا مڑ کر، بازو پیچھے باندھتا تیوریاں چڑھا کر، اسے زہر خندہ نگاہوں سے دیکھنے لگا۔

حلیل ابراہیم نے چہرے پر ایک جبری مسکان قائم کرتے ہوئے اپنا دائیاں ہاتھ ہوا میں لہرا کر اسے سلام کیا جس کا جواب دینا اس نے گوارا نہ سمجھا اور درشتی سے سر جھٹکتا، مڑ کر آگے کو اپنے آفس میں کھسک گیا۔ وہ وہیں خاموش سا بیٹھا رہا، چہرے پر افسردہ سے تاثرات کا بسیرا ہو گیا۔

حالانکہ اس کے بھائی کا یہ رویہ اس کے ساتھ نیا نہیں تھا۔ پھر بھی ہر مرتبہ اس کی بے رخی اور بد اخلاقی پر اسے ایسے ہی افسوس ہوا کرتا۔ آخر کوئی بھائی ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟

NOVEL HUT

اس نے اب کی بار ذہن سے تمام خیالات کو جھٹکتے ہوئے، میز کا دراز کھینچ کر کچھ فائلز نکالیں، اور قلم دائیں ہاتھ کی دو انگلیوں کے درمیان گھماتے ہوئے انہیں پڑھنے لگا۔

تقریباً   ایک آدھ گھنٹے بعد اس نے میز کے ایک کونے میں پڑے ٹیلی فون کا ریسیور اٹھایا، اور اپنی سیکرٹری "لاریب برہان" کو آفس میں بلایا۔

پانچ منٹ کے اندر اندر ہی وہ اس کے آفس میں تھی۔ موو رنگ کی شلوار قمیض میں ملبوس اور ہم رنگ دوپٹہ گردن میں ڈال کر دو پلو سامنے کو نکالے ہوئے، چہرے پر ایک پیشہ ورانہ مسکان پھیلائے، وہ اسے کافی متوجہ ہو کر سن رہی تھی۔

"یہ فائلز ایک بار ری چیک کر لو۔ پھر مجھے لا دینا میں سب پر سائن کر دوں گا۔" اس نے سنجیدگی سے کہہ کر اسے وہ فائلز تھمائیں۔

"آل رائٹ سر حلیل۔" ایک سرسری سی نگاہ ان فائلز پر ڈال کر، اجازت مانگی اور اس کے آفس سے چلی گئی۔

اس کے جانے کے بعد اس نے کرسی کی پشت سے سر ٹکایا۔ اور ایک گہری سانس باہر کی طرف خارج کی۔ وہ اب چھت کو گھور رہا تھا جیسے دور کہیں کسی غیر مرئی نقطے کو دیکھ رہا ہو۔

"May I come in Sir?"

("کیا میں اندر آسکتا ہوں سر؟")وہ اپنی سوچوں کی بھول بھلیا میں گم ہی رہتا، اگر اس مردانہ آواز جس میں خاصی بے تکلفی نمایاں تھی، نے اس سے پوچھا نہ ہوتا۔وہ اس آواز سے شناسا تھا۔ اسی لیے چہرے پر ایک ہلکی سی مسکان پھیل گئی۔

"Not at all."

("بالکل بھی نہیں۔") لہجہ قطعی تھا۔دوسری جانب دروازے کے پار کھڑے اس شخص نے یہ سن کر سر کو ذرا سی جنبش دی، اور مسکراتا ہوا دروازہ کھول کر اس کے آفس میں داخل ہو گیا۔

NOVEL HUT

".Thanks"

("شکریہ۔") وہ کرسی کھینچ کر اس کے سامنے کافی شاہانہ سے انداز میں آبیٹھا، جیسے یہ آفس اس کے باپ کا ہو۔

"ایک منٹ۔۔ آپ اندر کیسے آئے؟ میں نے تو آپ کو اجازت نہیں دی اندر آنے کی۔" وہ ابرو سکیڑ کر تھوڑا تیز لہجے میں بولا تو جواباً اس نے دونوں ہاتھ اٹھا کر اسے مزید بولنے سے روکا۔

"اوہ کم آن حلیلو۔۔" اور اس کی زبان سے اپنا نام بگڑا ہوا سن کر ہمیشہ کی طرح اس کے لب غصے سے بھینچ گئے۔

وہ چند لمحے اس شخص کو سختی سے تیوری چڑھائے دیکھتا رہا جو سیاہ رنگ کی پینٹ، سفیدٹی شرٹ کے اوپر ہم رنگ پوری آستینوں والی شرٹ پینٹ کے اندر کیے، بازو موڑے، بٹن کھولے پہنے ہوئے تھا (یہ ان دنوں کا فیشن تھا اور حلیل ابراہیم کو اس فیشن سے خاصی چڑ تھی)، چھوٹے کٹے سیاہ

بال ایک طرف کو سرسری سے انداز میں سیٹ کیے گئے تھے، سیاہ سن گلاسز کے پیچھے نظر آتی آنکھیں ہلکے سبز رنگ کی تھیں، بے حد پر کشش۔" ازلان سیف" کا قد حلیل ابراہیم سے ایک دو انچ ہی چھوٹا تھا۔ اس دبلے صحت مند نوجوان کی عمر بھی اسی کی جتنی تھی۔

"ازلان! میں نے کتنی بار کہا ہے کہ میرا نام مت بگاڑا کرو۔" وہ بے حد سنجیدگی اور سختی سے بولا، اور پھر سر جھٹک کر سامنے پڑی ایک فائل کے پنے پلٹنے لگا۔

"اوکے اوکے سوری۔ویسے آج تم اتنا سڑے ہوئے کیوں ہو؟" وہ فوراً سنبھل کر بولا، ساتھ ہی وہ اس کے تاثرات کا بھی مشاہدہ کر رہا تھا۔

"تم بتاؤ کیسے آنا ہوا؟" اس نے سوال کا جواب دینا قطعاً پسند نہ کیا۔

"تم نے تو میرے سوال کا جواب ہی نہیں دیا۔ام۔۔مجھے سوچ لینے دو۔۔کیا افتخار بھائی نے پھر کچھ کہا ہے؟" وہ بولا اور ساتھ ہی چشمے اتار کر میز پر دھرے تو اس نے ایک نظر اسے گھوری ڈالی، پھر فائل بند کر کے

ایک طرف کو رکھی۔

"نہیں نہیں یار۔ انہوں نے کچھ نہیں کہا۔ اور اگر وہ کہہ بھی دیں تو مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ وہ میرے بڑے بھائی ہیں۔۔ میں ان کی بہت عزت کرتا ہوں۔ اگر انہیں میری کوئی بات بری لگے تو وہ مجھے اس پر ڈانٹ بھی سکتے ہیں اور مجھ سے ناراض بھی ہو سکتے ہیں۔" اس نے کہا تھا تو اس کا لہجہ اور انداز قدرے ٹھنڈا تھا، مگر آنکھوں میں تاسف کی لہریں خوب جھلک رہی تھیں۔

"ہاں مگر حلیل یہ تم ہی کہتے ہو کہ کسی انسان کو یہ حق نہیں کہ وہ دوسرے کو ذلیل کرے یا پھر اسے تکلیف دے۔" اور اس کا سر جیسے چکرا ہی گیا ہو۔

(اس وقت اگر اس سے پوچھا جاتا کہ انسان کے لیے سب سے مشکل کیا ہے ؟

تو اس کا جواب یقیناً یہی ہوتا کہ اپنی کہی گئی باتیں کسی دوسرے کے منہ سے "خود" کے لیے نصیحت کے طور پر یا پھر یاد دہانی کے طور پر سننا۔ کیونکہ

دل ہی دل میں، ہم سب کو یہی لگتا ہے کہ جو نصیحتیں یا باتیں ہم دوسرے سے کہتے ہیں، وہ ہم اپنی زندگی پر خود بھی لاگو کر رہے ہوتے ہیں۔ لیکن درحقیقت ہمیشہ ایسا نہیں ہوتا۔)

"اچھا تم بتاؤ۔۔ یہاں کیسے آنا ہوا؟" اس نے گویا یہ ظاہر کیا کہ وہ اس کی بات نظر انداز کر گیا ہے۔

("نہ بتا بھئی مجھے کیا۔ میں کون سا مرا جا رہا ہوں سننے کے لیے۔ خود ہی ٹھیک ہو جانا پھر۔" ازلان نے دل ہی دل میں سوچا اور پھر طنزیہ انداز میں سر جھٹکا۔)

"ویسے ہی یہاں سے گزر رہا تھا تو سوچا تم سے مل لوں۔ گھر جاؤں گا تو تم جانتے ہی ہو ابا کو۔ آتے ساتھ ہی مجھے نوکری نہ ملنے کے طعنے دینا شروع کر دیں گے۔ ایسے میں، میں نے سوچا تم سے مل لوں گا تو ابا کی لعن طعن سننے سے کچھ دیر کے لیے بچ جاؤں گا۔" وہ کافی مسکراتے ہوئے بولا تو لہجے میں تکان اور بے زاری خاصی آشکار ہو رہی تھی۔

NOVEL HUT

حلیل یک دم ہنس دیا۔ وہ اسے یوں ہی اکثر ہنسا دیا کرتا، خاص طور پر جب وہ پریشان ہوا کرتا۔ اس کی ہنسی دیکھ کر وہ دونوں ہاتھ میز پر زور سے رکھ کر تھوڑا آگے کو ہوا۔ وہ اب مزید کچھ کہنے جا رہا تھا، جسے وہ سننے کا منتظر تھا۔

" ایک تو بندہ پہلے ہی ناکام ہو۔۔ گھر باہر ذلیل ہوتا ہو۔۔ اوپر سے بچی کھچی عزت کا جنازہ یہ رشتہ دار آکر آپ کے زخموں پر نمک چھڑک کر نکال دیتے ہیں۔مجھے آج تک سمجھ نہیں آئی کہ رشتہ داروں کو ایسا کر کے کیا ملتا ہے۔ ہونہہ !۔"وہ مصنوعی تاسف سے سر ہلاتا ہوا بول رہا تھا تو حلیل بھی اپنی ہنسی پر قابو پاتے ہوئے اسے سن رہا تھا۔

(وہ جب بھی اسے ملا کرتا، اس کی بات ہمیشہ اپنے رشتہ داروں سے شروع ہوا کرتی جو اس کے مطابق ہمیشہ اس کے گھر، اس کی ناکامیوں کا مذاق اڑانے اور ان پر طنز کرنے کے لیے آیا کرتے۔ اور شاید ایسا ہی تھا۔)

"تمہارے ابا تمہاری فکر کرتے ہیں اسی لیے تمہیں یہ سب کہتے ہیں۔"اس

نے اس کے رشتہ داروں کے متعلق کچھ نہیں کہا، کیونکہ وہ جانتا تھا اگر اس نے ان کی حمایت میں کچھ بولا، تو وہ بپھر اٹھے گا۔

"واہ! تو تم لعن طعن کرنے کو فکر کہہ رہے ہو۔ صحیح ہے۔" اس نے طنزو استہزا سے کہا۔ حلیل جواباً ہلکا سا مسکرانے لگا۔

اس نے میز پر پڑا اپنا چھوٹا بٹنوں والا موبائل اٹھایا، اور بٹن دباتے ہوئے اس پر میسج ٹائپ کرنے لگا۔ اس دوران ازلان ارد گرد پڑی اشیاء کا جائزہ لیتا رہا ۔۔ اور جتنا وہ ان چیزوں کو دیکھتا، اتنا ہی وہ بور سا ہو جاتا۔ اسے کہیں بھی نوکری نہ ملنے کی ایک اور وجہ یہ بھی تھی کہ اسے دفتروں کا ماحول کافی بورنگ لگا کرتا۔

"اچھا ویسے میں اتنی دیر سے یہاں بیٹھا ہوں، بندہ چائے پانی ہی پوچھ لیتا ہے۔" وہ ایک کے بعد ایک میسج ٹائپ کر رہا تھا تو وہ اکتاہٹ سے بول اٹھا۔

حلیل ابراہیم نے ایک نظر اسے دیکھا، پھر ٹیلی فون پر کوئی نمبر ڈائل کیا، اور ریسور کان سے لگائے کہنے لگا۔

"ہاں سنو۔۔ دو چائے لے آؤ۔۔ اور ساتھ ۔۔"اس نے سوالیہ انداز میں ابرو اکٹھے کر کے ازلان کو دیکھا۔

"ساتھ سموسے ہو سکے تو منگوا لو۔ کیا ہے نا، میں نے دوپہر کا کھانا نہیں کھایا ہوا اس لیے بھوک سے برا حال ہو رہا ہے۔" اور وہ جانتا تھا کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے، اسی لیے سر ہلانے لگا جیسے کہہ رہا ہو "تم کبھی نہیں بدل سکتے۔"

"اچھا وہ بلال سے کہہ دو کہ باہر سے سموسے بھی لے آئے۔" وہ ریسیور رکھنے ہی لگا کہ وہ پھر بول اٹھا۔

"اور ساتھ چٹنی بھی۔"حلیل نے ایک اچٹتی نگاہ اس پر ڈالی، پھر ریسیور کان سے پرے کیا۔

NOVEL HUT

"ایک منٹ ہولڈ کرنا۔" اور اسے تیوریاں چڑھا کر گھورا۔

"تم ایک بار نہیں بتا سکتے؟" وہ بولا تو سامنے والے پر کوئی اثر نہ ہوا۔

"اب ایک ساتھ تو نہیں نا ساری چیزیں دماغ میں آئیں گی ۔" کس شاندار پر اعتمادی سے دیا گیا تھا یہ جواب، حلیل کو بے حد حیرت ہوئی۔

"اور بھی کچھ منگوانا ہے تو ابھی بتا دو۔"اس نے پوچھا تو اس کے چہرے پر لحظے بھر کے لیے سوچ کی شکنیں نمایاں ہوئیں۔

"نہیں ابھی کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔ بعد کا پتا نہیں۔"اس نے ایک آنکھ شرارت سے دبائی۔ حلیل ناگواری سے سر ہلاتا رہ گیا۔اور پھر ریسیور دوبارہ کان سے لگائے کھانے کا آرڈر کنفرم کرنے کے بعد ریسیور رکھا، پھر اس کی جانب متوجہ ہوا۔

"ویسے تمہیں شاید یہ بھول گیا ہوگا کہ یہ میرا آفس ہے۔۔ کوئی سرائے نہیں۔"اس نے اسے تھوڑی سی غیرت دلانا چاہی، مگر وہ اس میں ناکام رہا۔

NOVEL HUT

"میرے لیے یہ میرے سب سے اچھے اور وفادار دوست حلیل کا آفس ہے۔۔ جہاں میرا حکم۔۔" وہ کافی اعتماد اور شوخی سے بولا، تو اس نے یکا یک اسے ٹوکا۔

"حکم؟" پھر سوالیہ انداز میں اسے دیکھا۔

"میرا مطلب میری کوئی بھی رکویسٹ یا خواہش پوری کرنا تو تمہارا فرض ہے۔یونو۔"اس نے سنبھلتے ہوئے کہا۔فی الحال اسے بہت بھوک لگ رہی تھی، اسی لیے وہ ابھی اس سے کسی بھی قسم کے جھگڑے کے باعث، کھانے سے ہاتھ دھو بیٹھنا سہہ نہیں سکتا تھا۔

"ہاں! اچھے سے معلوم ہے مجھے۔ تم بس یہاں پیٹ پوجا کرنے ہی آتے ہو۔ ورنہ تمہیں اپنے اچھے اور وفادار دوست کی کہاں یاد آتی ہے۔

ہونہہ۔"وہ زیر لب استہزا سے مسکرا دیا، اور سر جھٹکا۔

"اب ایسی بھی بات نہیں ہے حلیل۔"اس نے بے حد اپنائیت سے کہا۔

"ایسی ہی بات ہے۔ " وہ فوراً بولا، اور کلائی میں پہنی گھڑی پر وقت دیکھنے لگا۔

"توبہ استغفراللہ! تمہیں میں اتنا گرا ہوا لگتا ہوں؟" اس نے دونوں ہاتھ تاسف سے کانوں سے ملاتے ہوئے کہا۔

"نہیں۔ بالکل نہیں۔ کیونکہ میں جانتا ہوں، تم میری سوچ سے بھی کئی زیادہ گرے ہوئے ہو۔" اس نے ہر لفظ چبا چبا کر بولا، لیکن وہ جانتا تھا، مقابل بیٹھے شخص پر اس کا رتی برابر اثر نہیں ہونا۔

"چچ چچ! اگر تم نے سموسے اور چائے کا آرڈر نہ دیا ہوتا تو میں کب کا یہاں سے جا چکا ہوتا۔ اب ظاہر سی بات ہے۔۔میں یہاں سے چلا جاؤں گا تو میرے حصے کا کھانا تو ضائع ہو جائے گا نا۔ صرف رزق کو ضائع ہونے سے بچانے کے لیے میں ابھی تک یہاں ہوں۔ سمجھ آئی؟ کوئی خوش فہمی نہ پال لینا۔ ٹھیک ہے؟" وہ بے حد سنجیدگی سے بولا۔۔تو حلیل نے بمشکل اپنی ہنسی پر قابو پایا۔

٭٭٭٭٭٭٭٭٭٭٭٭

وہ باتھ روم سے نکلا تو اب تک وہ پادری اس کے کمرے سے جا چکا تھا۔ کمرے کی ساری بتیاں روشن تھیں۔ اس نے ایک نظر کھڑکی کے ساتھ دیوار پر ٹنگے سلیب کی جانب دہرائی۔ آنکھوں میں نفرت۔۔ غصہ۔۔ وحشت۔۔ اور کرب ابھر کر آیا۔ اس نے طنزیہ انداز میں زور سے سر جھٹکا۔۔ اور کندھے پر رکھا تولیہ بستر پر دفعان کرنے والے انداز میں پھینکا۔

وہ سیاہ رنگ کی پوری آستینوں والی شرٹ اور اسی رنگ کے ٹراوزر میں ملبوس تھا۔گیلے سنہرے بال سیدھے پیچھے کی طرف کیے گئے تھے۔

وہ ننگے پیر الماری کی جانب بڑھا اور اس کے دونوں پٹ کھول کر ایک گہری سانس اندر کو کھینچی۔ ماتھے پر سوچ کی شکنیں نمایاں ہوئیں۔ اس نے الماری کا دراز کھولا اور اس میں چیزیں الٹ پلٹ کرنے لگا۔ چند لمحے بعد اس کے ہاتھ ایک کتاب لگی۔

NOVEL HUT

وہ کتاب اس نے دراز سے نکالی اور اسے لحظے بھر کے لیے معنی خیز نگاہوں سے گھورا۔چہرے پر ایک ہلکی سی معنی خیز مسکان پھیلی۔

اس کتاب پر جلی حروف میں تحریر تھا

"Predictably Irrational"

(امکانی طور پر غیر معقول۔)

یہ وہ کتاب تھی جو عقلی فیصلہ سازی کے روایتی و معاشی نظریات کو چیلنج کرتی۔ڈین ایریلی کی تحریر کردہ یہ کتاب غیر معقولیت کے منظم نمونوں کی کھوج کرتی، جو ہمارے روزمرہ کے انتخابات کو متاثر کرتے، یعنی ہمارے جذبات، سماجی اصول اور توقعات ہمیں کس طرح قابلِ قیاس لیکن غیر معقول فیصلے کرنے کی طرف لے جا سکتے ہیں۔

الیگزینڈر کی سرمئی آنکھوں کے سامنے یک دم کچھ لہرایا۔

آرزو تو یہ تھی کہ سمجھ سکیں انداز نوع انساں کا

صد افسوس ! کبھی خود کو بھی سمجھ نہ سکے

(یہ منظر ایک مقامی بار کا تھا۔ رات کے اندھیر سائے ہر سو پھیلے تھے۔ اور ایسے میں اس بار کے اندر اگر نگاہ دہراؤ تو ہر طرف ورکرز کو چھوڑ کر باقی لوگ عجیب سی کیفیت کا شکار تھے۔ کچھ تو بالکل مدہوش ہوئے پڑے تھے۔

یہاں ایک کونے میں، ایک میز کے ساتھ رکھی کرسی پر وہ براجمان تھا، سر کرسی کی پشت سے ٹکا رکھا تھا۔ اس کے سامنے والی کرسی پر اینزو بیٹھا تھا، جو ایک وائن گلاس ہاتھ میں لیے اس میں سے گھونٹ بھرنے میں محو تھا۔وہ گہرے بھورے رنگ کے سویٹر اور سیاہ پینٹ میں ملبوس تھا۔ ہلکے بھورے بال ماتھے پر بکھرے تھے۔ اس کی سنہری آنکھیں سرخ پڑی تھیں۔۔ یقیناً وہ بہت زیادہ پی چکا تھا۔

الیگزینڈر نے سر کرسی کی پشت سے ہٹایا۔۔ سامنے پڑی شراب کی بوتل کا ڈھکن کھولا۔۔اور اسے وائن گلاس میں ڈالا۔ پھر اینزو کو تھکاوٹ سے چور آنکھوں سے دیکھا۔

وہ اس وقت سیاہ رنگ کے لانگ کوٹ اور ہم رنگ جینز میں ملبوس تھا۔ کوٹ کے اوپر والے دو بٹن کھلے تھے۔ سنہرے بال ایک طرف کو سرسری سے انداز میں سیٹ تھے، چہرہ زرد اور نقاہت زدہ سا دکھائی دیتا۔

"اس دنیا میں سب سے زیادہ پیچیدہ جانتے ہو کیا ہے؟"اس نے سرد، خشک اور معنی خیز لہجے میں رک رک کر پوچھا۔ وہ جواباً عجیب سے انداز میں مسکرانے لگا جیسے اسے اس کے سوال کی کچھ سمجھ ہی نہ آئی ہو۔

الیگزینڈر نے سر جھٹکا۔ اور گلاس لبوں سے لگا لیا۔۔ پھر چند ہی لمحوں میں وہ گلاس اس زہریلے مادے سے خالی ہو گیا۔اس نے وہ گلاس میز پہ دھرا۔ اس پر پانچ بوتلیں ایسی تھیں جو اس نشہ آور مادے سے خالی ہو چکی تھیں،

NOVEL HUT

جب کہ ایک بوتل میں ابھی وہ زہر تھوڑا سا موجود تھا۔

"انسان۔" وہ بولا تو اس کی آنکھیں بے تاثر تھیں۔ اینزو اس کی باتیں سمجھ نہیں پا رہا تھا، اس کی حالت ہی کچھ ایسی تھی۔

"اب چونکہ مجھے پیچیدگی پسند ہے اسی لیے مجھے انسانوں کو پڑھنا پسند ہے۔" یک دم اس کی سرمئی آنکھوں میں گہرا کرب اُمڈ آیا۔ وہ پتھریلے تاثرات کے ساتھ مسکرا دیا۔ اور پھر ہاتھ اس بوتل کی جانب بڑھایا جس میں تھوڑی سی شراب موجود تھی۔

اینزو نے بھی ہاتھ بوتل کی جانب بڑھایا، لیکن الیگزینڈر نے اسے بھنچے ہوئے ابرو اور شعلہ بار نگاہوں سے گھورا تو اس نے ہاتھ پیچھے کر لیا۔ اس نے گلاس میں بچی کھچی شراب انڈیلی اور پھر ایک ہی سانس میں وہ ختم کر ڈالی۔

اینزو ناگواری سے یہ دیکھ کر سر ہلانے لگا۔ اور چند لمحے بعد ہی اس نے ویٹر کو بلا کر اس زہریلے مادے کی مزید تین چار بوتلوں کا آرڈر دیا۔ وہ دونوں آج رات صرف یہی کرنے والے تھے۔)

اس نے وہ کتاب دراز میں واپس دھری۔ اور الماری کے دونوں پٹ بند کر کے بیڈ پر آبیٹھا۔ موبائل بیڈ کی سائیڈ ٹیبل سے اٹھایا۔۔ اسکرین روشن کی۔۔ وقت دیکھا اور پھر موبائل پرے رکھ کر نیم دراز ہو کر لیٹ گیا۔ بوجھل آنکھیں بند کر لیں۔۔ لیکن اس کا ذہن آج پہلے سے کچھ کم تناؤ کا شکار تھا۔۔ اس کی ایک وجہ کچھ ہی دیر پہلے زہریلی اور نشہ آور شے کو اپنے اندر لے جانے اور دوسری وجہ پادری کی دی گئی خبر تھی۔

اس کا خواب پورا ہونے جا رہا تھا۔ وہ سائیکولوجی پڑھنے جا رہا تھا۔ لیکن کیا یہ صرف اس کا خواب تھا؟

درحقیقت وہ انسانی نفسیات اس لیے پڑھنا چاہ رہا تھا تاکہ اپنی زندگی میں آنے والے پیچیدہ لوگوں کو سمجھ سکے جن کی انہیں آج تک سمجھ نہیں آئی۔ اور شاید اس کی بدولت وہ خود کو بھی سمجھ سکے۔

مگر کیا وہ کبھی خود کو سمجھ پائے گا؟

اور یہ سوال وہ جب بھی سوچتا، اس کا جواب اسے نہ مل پاتا۔ مگر ایک امید تھی۔۔ کہ جس شاہراہ پر وہ اب چلنے والا ہے، وہ اسے خود سے ملوا دے گی۔

****

.Academy of Fine Arts in Bologna

(اکیڈمی آف فائن آرٹس، بولوگنا۔)

دردناک ماضی نے بنایا ہمیں غیر مہم

بگاڑا نہ کچھ، پھر بھی ہوئے ہم ہی خائف

NOVELHUB

یہ منظر بولوگنا کی نامور آرٹ اکیڈمی کے وسیع ہال کا تھا جس کے کونے کونے میں اگر نگاہ دہراؤ، تو ستارویں صدی کے فنِ تعمیر کی کئی جھلکیں نمایاں ہوتیں۔ قدرتی روشنی کی چمک بڑی اونچی کھڑکیوں سے اندر داخل ہو رہی تھی ،جو یہاں موجود طلباء کے چہروں کو روشن کر رہی تھی۔

اس ہال میں وسط میں ایک چھوٹا سا بے حد ہلکے سبز رنگ کا اسٹیج بنا تھا جسے دیکھ کر یہی لگتا کہ اس کا رنگ سفید ہے۔ اس پر کافی پر اعتماد سے انداز میں کھڑے ادھیڑ عمر شخص لیکچر دینے میں محو تھے۔

اسٹیج کے سامنے قطاروں میں لگیں بھورے رنگ کی کرسیوں پر تمام طلباء بیٹھے انہیں سن رہے تھے۔

NOVEL HUT

"تو جیسا کہ میں کہہ رہا تھا، Visual Art ایک بہت ہی وسیع ٹرم ہے جو آپ کے جذبات ، خیالات یا پھر کسی چیز کے معنی کو Visual Mediums کے ذریعے ظاہر کرتی ہے۔" انہوں نے اپنی بات جاری رکھی، ساتھ ہی ایک نگاہ

سامعین پر دہرائی ، جس میں انہیں وہ لڑکی دکھائی دی جو فرنٹ سیٹ پر بیٹھی، ہتھیلی ٹھوڑی کے نیچے ٹکائے ، دائیں طرف ایک یینار یں منسوب مجسمے کو دیکھ رہی تھی ، چہرے پر ایک ہلکی سی معنی خیز مسکان پھیلی تھی ، وہ یقیناً کچھ سوچ رہی تھی۔

"ڈاکٹر لیونارڈو "نے ناگواری سے اس سے نظریں ہٹائیں، اور لیکچر جاری کیا، البتہ اس طالب علم کی عدم دلچسپی انہیں بری نہیں۔۔ بہت بری لگی تھی۔

"تو میں بات کر رہا تھا ویژول آرٹ کے عناصر کی۔ جو میں نے آپ کو کل بھی بتائے تھے۔ رائٹ؟" وہ یہ سوال پوچھنا نہیں چاہ رہے تھے ، مگر صرف اس لڑکی کو متوجہ کرنے کے لیے انہوں نے پوچھا۔

اس لڑکی نے پھر بھی نظرِ کرم نہ کیا۔ وہ اب اس مجسمے کی بجائے دور کہیں خلا میں نہ جانے کیا دیکھ رہی تھی۔

"یو ! اسٹینڈ اپ (آپ ! کھڑی ہو جائیں)۔" انہوں نے لب بھینچتے ہوئے کافی سختی اور تحکم سے، اسے دیکھتے ہوئے کہا تو وہ یک دم ہڑبڑا کر رہ گئی، اور اپنے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھی ایمیلیا کو گھورا جیسے پوچھ رہی ہو کہ "کیا ہوا ہے؟"

"آپ کو سنائی نہیں دیا؟" اور انہوں نے جیسے ہی کہا، وہ فوراً کھڑی ہو گئی ، دل کی دوڑ تیز نہیں ۔۔ بہت تیز ہو گئی۔

"یس ۔۔ یس سر؟" اس نے رک رک کر پوچھا۔

"کیا آپ بتانا پسند کریں گی کہ ویژول آرٹ کے عناصر کتنے ہیں؟" ڈاکٹر لیونارڈو نے بازو سینے پر لپیٹتے ہوئے، اکڑ کر پوچھا۔

وہ خشک پڑتے لبوں پر زبان پھیرنے لگی، ہاتھ ہلکے ہلکے سے کپکپانے لگے، سنہری آنکھوں میں اضطراب ۔۔ بے چینی اور ڈر سا پھیل گیا، یہ اس کے لیے نئی بات نہ تھی۔

"کیا آپ نے میرا سوال سنا نہیں؟" انہوں نے عینک کے پیچھے سے گھور کر دیکھا۔

اس نے ایک سانس اندر کو کھینچی، اور دونوں ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچ کر لب کھولے۔

"7۔" اور یک حرفی جواب دے ڈالا۔

(اس دوران ایمیلیا اس کے ہاتھوں کی جنبش کو دیکھ رہی تھی۔۔ اور ساتھ ہی اس نے غصے سے سر بھی جھٹکا۔ اس کی اس عادت پر اسے کافی غصہ آتا، اور اس سے زیادہ غصہ اس عادت کے سبب پر۔)

"کون کون سے؟" انہوں نے ایک اور سوال پوچھ ڈالا۔ اس نے لحظے بھر کو کچھ سوچا، پھر بولی۔

Shape, Line, Space, Form, Texture, Value, and...“

”.Color

("شکل، لکیر، جگہ، جسامت، بناوٹ، قدر اور رنگ۔")

ایک ہی سانس میں اس نے کہہ ڈالا، اور سب سامعین اسے یک ٹک دیکھے گئے۔

("اس نے تو بالکل ٹیپ ریکارڈر کی طرح بولا ہے۔" ایک طالب علم دوسرے کے کان میں سرگوشی کرنے والے انداز میں بولا، میری نے اسے سن لیا تھا، لیکن تاثرات سے کچھ ظاہر نہ کیا۔)

"یہ تو بہت ہی آسان سا سوال تھا۔ مجھے بتائیے کہ ایک آرٹسٹ ان عناصر کے ذریعے کرتا کیا ہے؟ اور یہ بھی بتائیے کہ ویژول آرٹ کے ذرائع کون کون سے ہیں؟ ذرا تفصیل سے بتائیے گا۔" انھوں نے ویسے ہی اکڑ کر بولا، باقی طلباء نے ایک دوسرے کو ناسمجھی سے گھورا۔

(" سر نے تفصیل سے تو اب تک ان چیزوں کے متعلق نہیں بتایا۔ میری کیسے بتائے گی؟" ایمیلیا کے پیچھے والے ڈیسک پر بیٹھی لڑکی نے اس کی

طرف تھوڑا سا جھک کر سرگوشی کی، اس نے شہادت کی انگلی لبوں پر لے جاتے ہوئے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔)

"سر۔ ایک آرٹسٹ ان عناصر کا استعمال اس لیے کرتا ہے تاکہ وہ اپنے فن کے ذریعے لوگوں سے communicate (رابطہ) کر سکے۔ مطلب وہ جو پیغام لوگوں تک پہنچانا چاہتا ہے، وہ انہی عناصر کے ذریعے پہنچا سکتا ہے۔ آرٹسٹ زیادہ تر ذاتی تجربات یا جذبات سے متاثر ہو کر ڈرائنگ کرتے ہیں تاکہ ان کو visual form (بصری شکل) میں آشکار کر سکے۔ لیکن اب کوئی شخص کسی آرٹسٹ کے فن سے کیا نتیجہ اخذ کرتا ہے یا کیا مطلب لیتا ہے، وہ تو اس شخص پر منحصر ہے۔" اس نے ایک چھوٹا سا وقفہ لیا۔ سب کی نظریں اس پر جمی تھیں۔ لوگ اسے مزید سننا چاہتے تھے۔ سو اس نے بھی مزید توقف لیے بغیر، بولنا شروع کیا۔

"جیسے خوشی کے لیے متحرک رنگوں کا استعمال، اداسی کے لیے ڈارک (گہرے) ٹونز، غصے کے لیے تیز لکیریں، جیسا کہ۔۔(اس نے لحظے بھر کے

لیے کچھ سوچا) "ایڈورڈ منچ" کے "دی سکریم (The Scream)" جیسے کاموں میں دیکھا گیا ہے جس میں مسخ شدہ لکیروں اور چیخنے والی شخصیت کے ذریعے "اضطراب" کو دکھایا گیا ہے۔"کئی طلباء کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے۔ اس دوران ایمیلیا کافی فخر سے سر اٹھا کر اسے سن رہی تھی، وہ باقیوں کو بھی یوں دیکھتی جیسے بتا رہی ہو کہ " دیکھو ! یہ اتنی قابل اور ذہین لڑکی میری دوست ہے"۔

"اب ذرا visual mediums کے بارے میں بتا دیں۔" ڈاکٹر لیونارڈو نے اسے اپنے سوال کا اگلا حصہ یاد دلایا، مگر اب کی بار ان کے لہجے کی سختی اور سرد مہری میں خاصی کمی تھی۔اس نے تھوک نگل کر مزید بولنا شروع کیا۔

"ویژول آرٹ کے میڈیمز میں سب سے پہلے میں "پینٹنگز "کی بات کرنا چاہوں گی۔پینٹنگز دراصل آرٹ کا "Two Dimensional" (دو جہتی)کام

ہے جو حقیقت پسندانہ ہو سکتا ہے ، abstract(تجریدی) بھی ہو سکتا ہے اور مختلف رویوں اور جذبات کی نمائندگی بھی کر سکتا ہے۔

اسی طرح آرٹ کا تین جہتی کام جو سیرامکس ، نقش و نگار یا پھر مجسمہ سازی ہو سکتا ہے۔" اور یوں اس نے ایک ایک کر کے تقریباً سارے کے سارے ذرائع تفصیل کے ساتھ بتا دیے، پھر ایک گہری سانس اندر کو اتاری، ہاتھوں کی لرزش ہنوز جاری تھی جسے یہاں موجود ہر فرد نے نوٹ کیا تھا۔

"آپ کا نام کیا ہے؟" ڈاکٹر لیونارڈو کے اس سوال پر اس نے مشتبہ انداز میں ابرو اکٹھے کیے۔

NOVEL HUT

"میری۔۔ میری کروز۔" اور پھر جواب دیا۔

“Well done Mary! Indeed You’ve got a Brilliant
Explanatory Power.”

("بہت خوب میری! بے شک آپ کو ایک شاندار وضاحتی قوت ملی ہے۔")

ان کے چہرے پر ایک ہلکی سی مسکان پھیل گئی، میری کو ان کے الفاظ پر یقین نہ آیا۔ کیونکہ یہاں آتے ہی اس کی ملاقات جس بھی طالب علم سے ہوئی، ہر کسی نے یہی بتایا کہ ڈاکٹر لیونارڈو سے ستائش حاصل کرنا بے حد مشکل کام ہے۔

"ویل۔۔ کلاس کا ٹائم تو اب ختم ہو چکا ہے۔ امید ہے مس میری نے آپ سب کو جو لیکچر دیا ہے، وہ آپ سب ذہن نشین کر لیں گے۔" کلائی میں پہنی گھڑی پر وقت دیکھتے ہوئے، وہ کہہ رہے تھے۔ پھر "ہیو آ گڈ ڈے" کہہ کر، ہال سے چلے گئے۔

میری وہیں ساکت سی کھڑی رہی۔ دل کی حالت عجیب سی تھی، جیسے کوئی کشمکش سے چل رہی ہو۔ ماضی کے کئی واقعات ذہن کو الجھا رہے تھے۔

"میری! تم نے یہ کیسے کیا؟" ایک لڑکا اس کے قریب آکر کافی پر جوشی سے پوچھ رہا تھا۔

"کیا؟" وہ سمجھ نہ سکی۔

"تم نے سر کو ان سوالوں کے جواب کیسے دیے جن کے متعلق سر نے ہمیں اب تک کچھ بتایا ہی نہیں تھا۔" اور یہ سن کر اسے حیرت کا دھچکا لگا۔

"کیا کہا؟ سر نے اس متعلق کچھ نہیں بتایا تھا؟" وہ کافی شاکڈ لگ رہی تھی۔

"ہاں نا! سر نے تو اس بارے میں تفصیل سے کچھ نہیں بتایا تھا۔" اس نے کہا تو میری نے چند لمحے کچھ سوچا، وہ ایسا نہیں چاہتی تھی۔

"یہ تو basics تھے اس لیے مجھے معلوم تھا ان کے بارے میں۔ اس میں کوئی خاص بات نہیں۔" بے نیازی سے شانے اچکا کر، کرسی کی پشت کے ساتھ لٹکے اپنے پرس کو لیتے ہوئے، وہ بولی۔

"لیکن تم نے ان کی جس طرح سے وضاحت کی وہ کافی کمال تھا۔" اس نے ابرو ستائشی انداز میں اچکاتے ہوئے کہا، وہ لڑکا جس کا نام "لورینزو" تھا، نوٹ کر رہا تھا کہ وہ اس گفتگو سے بھاگنا چاہ رہی تھی، لیکن کیوں؟ اس کا جواب اس کے پاس نہ تھا۔

عام طور پر لوگ اپنی تعریف سن کر خوش ہوتے ہیں، لیکن اس کے ساتھ کیا مسئلہ تھا؟ اسے سمجھ نہ آسکی۔

وہ اب اس لڑکے کے پہلو سے گزرتی، ہال سے باہر جانے لگی۔ اس کے ساتھ ایمیلیا بھی تھی، جو اس کی اور لورینزو کی گفتگو کے دوران بازو سینے پہ لپیٹے، خاموشی سے انہیں سنتی رہی۔

NOVEL HUT

"لوگ تم سے آج کافی امپریس ہوئے ہیں۔ آج ہماری صرف تیسری کلاس ہی تھی۔ اور سر نے بالکل بھی اس طرح سے نہیں بتایا تھا، جس طرح تم نے بتایا۔" اس نے ایک وقفہ لیا، پھر دوبارہ کہنا شروع کیا۔

"جس طرح سے تم نے ہر ایک چیز کی مثال دی وہ بہت ہی اچھا تھا۔ سب کہہ رہے تھے کہ یہ لیکچر تو انہیں کبھی نہیں بھولے گا۔" اس نے ایک نظر میری کو دیکھا جس پر ان باتوں کا کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا۔ وہ دونوں اب اس اکیڈمی کے وسیع گراؤنڈ میں پہنچ گئی تھیں۔

افق پر چھائے بادلوں کی تعداد میں خاصی کمی تھی۔ ماحول میں خنکی بھی قدرے کم پڑ چکی تھی۔ سورج کی کرنیں اب پہلے سے زیادہ زور و شور سے اپنے پر ہر سو پھیلانے میں مگن تھیں۔

"ویسے تم نے انہیں بتایا کیوں نہیں کہ ان سب باتوں کے متعلق تم نے بہت سی کتابیں پڑھی ہیں؟ اگر بتا دیتی تو ان کا تجسس ختم ہو جاتا۔" اس نے تھوڑا سا شکوہ کن لہجے میں، اسے شکوہ کناں نگاہوں سے تکتے ہوئے کہا تو اس نے جواباً اسے تیوریاں چڑھا کر، گھور کر دیکھا۔

"ہاں تاکہ پھر وہ مجھ سے پوچھتے کہ میں نے کون کون سی کتابیں پڑھ رکھی ہیں؟ رائٹ؟ اور پھر وہ پوچھتے کہ میرا آرٹ میں اتنا انٹرسٹ کیوں ہے؟ پھر میں جواب دیتی کہ نہیں نہیں۔۔ میرے تو بہت سے شوق ہیں، اور جب میرا کسی چیز میں شوق چلا جائے، تو میں اس کی depth (گہرائی) میں چلی جاتی ہوں۔" وہ رکی تو اس کا سانس پھول رہا تھا۔

"اور پھر تمہیں ان لوگوں نے جج کرنا تھا۔ رائٹ؟ اسی بات کا خوف تھا نا تمہیں؟ تم اس خوف کو اپنے اندر سے نکال کیوں نہیں دیتی؟" اس نے میری کی سنہری آنکھوں میں گھورا۔۔ وہ مضطرب سے انداز میں لب کاٹنے لگی۔

"آج بھی تمہارے ہاتھ ایسے کانپ رہے تھے جیسے پتا نہیں کیا ہو گیا ہو۔ تمہیں جب سب سوالوں کے جواب آتے تھے، پھر اس میں اتنا ڈرنے کی کیا بات تھی۔ اور اِن کیس اگر کسی سوال کا جواب نہ بھی آتا، تو سر نے تمہیں کھا تو نہیں جانا تھا نا۔ پلیز اپنا کانفیڈینس لیول بڑھاؤ میری۔" وہ بولی

NOVEL HUT

جا رہی تھی، تو میری نے یک دم ہاتھ ہوا میں لہرا کر اسے رک جانے کا اشارہ کیا۔

"تمہیں ایسا کیوں لگتا ہے کہ مجھ میں کانفیڈینس کی کمی ہے؟ یا پھر مجھے یہ خوف ہے کہ لوگ مجھے جج کریں گے؟" اس نے چبا چبا کر پوچھا۔

"اس سوال کا جواب تم اچھے سے جانتی ہو۔" وہ یہ کہنا نہیں چاہتی تھی، مگر اپنی زبان پر وہ قابو نہ رکھ پائی۔ میری کی آنکھوں میں عجیب سی ویرانی چھا گئی۔چند ثانیے کے لیے ہر سو خاموشی کا بسیرا ہو گیا۔

"دراصل میں اس لیے کسی کو یہ نہیں بتانا چاہ رہی تھی کہ میں نے آرٹ سے متعلق کافی کتابیں پڑھ رکھی ہیں، کیونکہ میں نہیں چاہتی تھی کہ اس کی وجہ سے لوگ مجھے ایک اسٹوڈنٹ کی بجائے استاد سمجھنے لگیں۔"اس نے وقفہ لیا۔۔ ایمیلیا اسے خاموشی سے دیکھتی رہی۔

NOVEL HUT

" آج بھی میرے ہاتھ سر کو جواب دیتے ہوئے اس لیے کانپ رہے تھے کہ کہیں ان کو جواب دینے کی وجہ سے، وہ آئندہ مجھ پر فوکس کرنا چھوڑ دیں، یا پھر انہیں میں بالکل پرفیکٹ دکھنے لگ جاؤں، جس سے وہ جو پوچھیں گے، اس کا جواب وہ کسی ٹیپ ریکارڈر کی طرح دے گی۔" آخر میں اسے وہ جملہ یاد آیا جو کسی اسٹوڈنٹ نے اس کے متعلق بولا تھا۔

"اوکے! جیسے تمہاری مرضی۔ چلو کیفے ٹیریا چلتے ہیں۔ مجھے بہت بھوک لگی ہے۔" اس کے لہجے سے صاف معلوم ہو رہا تھا، وہ اب اس سے اس متعلق بحث نہیں کرنا چاہتی تھی۔ میری بھی یہی چاہتی تھی، کیونکہ وہ کافی دیر تک مزید جھوٹ نہیں بول سکتی تھی۔

اس لیے وہ دونوں اب مزید الجھنے کی بجائے، گراؤنڈ سے سیدھا کیفے ٹیریا جانے لگیں۔ اسے امید تھی کہ اب وہ مزید اس بارے میں کوئی بات نہیں کرے گی۔ اور بالکل ایسا ہی ہوا۔

NOVEL HUT

****

مت چھیڑ ہماری دکھتی رگ کو

خود کو واپس لانا دشوار ہو جاوے

یہ منظر اس خوبصورت گھر کے ڈائنگ روم کا تھا، میز پر بریانی، قورمہ، رائتہ اور سلاد نفاست سے پلیٹوں میں سجے تھے۔ سربراہی کرسی پر نورالنسا کے بابا براجمان تھے۔ ان کے بائیں طرف رکھی پہلی کرسی پر ان کی نورِ نظر بیٹھی تھی۔ مقابل والی دونوں کرسیاں ان دونوں نے سنبھال رکھی تھیں۔

"کھانا کیسا لگا آپ دونوں کو بیٹا؟" انہوں نے نشرح اور مشعل کی طرف دیکھتے ہوئے نرمی سے پوچھا۔

"انکل بہت اچھا۔ آپ کے گھر کا کھانا تو بہت کمال کا ہوتا ہے۔" مشعل نے پلیٹ سے سر ہٹائے بغیر کافی تیز لہجے میں ستائشی انداز میں بولا، نشرح نے انہیں دیکھ کر تائیدی انداز میں سر ہلا دیا۔

"بھئی یہ تو ہمارے لیے خوشی کی بات ہے کہ ہمارے گھر کا کھانا صرف ہمیں ہی نہیں بلکہ ہمارے گھر آئے ہر مہمان کو بہت پسند آتا ہے۔" ان کا انداز مسرت کی کئی لہروں سے بھرپور تھا۔

"پر انکل ہم مہمان تو نہیں۔" نشرح نورالنسا کو دیکھتے ہوئے نرمی اور اپنائیت سے بولی۔

"ہاں ہاں! آپ دونوں میرے لیے بالکل نورالنسا کی طرح ہی ہیں۔ آپ دونوں جب چاہو یہاں آسکتے ہو۔ ٹھیک ہے؟" اور یہ سن کر مشعل نے پلیٹ سے سر ہٹایا، پھر ان کی جانب متوجہ ہوئی۔

"ایسے نورالنسا کا دل بھی بہل جاتا ہے۔۔ ورنہ یہ تو یہاں سارا سارا دن اکیلی ہوتی ہے۔میں بھی سارا دن دفتر ہوتا ہوں۔" نورالنسا نے چہرے کے تاثرات یوں بنائے جیسے کہہ رہی ہو "نہیں نہیں! میں تم دونوں کے بغیر بہت خوش رہتی ہوں۔"

"جی انکل ہم اسی لیے یہاں آجاتے ہیں۔۔ تاکہ نور کو کمپنی دے سکیں۔
رائٹ نور؟" وہ دونوں یک زباں ہو کر بولیں۔

"ہاں! تم دونوں ہی تو ہو مجھے کمپنی دینے کے لیے۔" اس نے طنزو استہزا سے مسکرا کر کہا۔ اس کے بابا بھی ان کی باتیں سنتے ہوئے زیر لب مسکرا رہے تھے، انہیں نورالنسا یونہی مسکراتی ہوئی اچھی لگتی تھی۔

"نشرح بیٹا! آپ کا آگے کا کیا پلان ہے؟" انہوں نے چاول چمچ سے منہ تک لے جاتے ہوئے سرسری سے انداز میں پوچھا۔

"انکل۔۔ میں نے سوچا ہے کہ میں, اسلامک اسٹڈیز میں گریجویشن کروں۔ پہلے میں نے سوچا تھا کہ کیوں نا فلسفہ پڑھ لوں۔۔ پھر میں نے کہا نہیں۔۔ اسلامک اسٹڈیز ہی ٹھیک ہے۔" وہ سوفٹ ڈرنک کا گلاس لبوں سے لگاتے ہوئے بولی۔

"ویسے فلسفہ پڑھنا کافی پیچیدہ ہوتا ہوگا نا۔" اور یہ سن کر اس کی سیاہ آنکھوں میں شرارت سی ابھری۔

"ہاں ہے تو۔۔ لیکن ۔۔ سائیکولوجی سے زیادہ نہیں۔ کیوں نور؟ ایسا ہی ہے نا؟" اس نے بمشکل مسکراہٹ دبائی۔ اس کے بابا کھل کر مسکرا دیے۔

"جی جی ایسا ہی ہے۔" نور چبا چبا کر بولی، ساتھ ہی سر جھٹکا۔

"تم بتاؤ مشعل! تم نے تو روبوٹکس پڑھنا ہے نا؟" نان قورمے کے ایک دو نوالے کھانے کے بعد اس نے پوچھا۔

"ام۔۔ ہاں۔۔ ایسا ہی ہے۔" مشعل جو کہ بریانی کی اب دوسری پلیٹ کھانے میں غرق تھی، یکلخت پلیٹ سے سر اٹھایا، اور چند لمحے کے لیے نور کو دیکھا، پھر سنبھل کر بولی۔

"روبوٹکس میں جانے کی کوئی خاص وجہ؟" یہ سوال نور کے بابا نے پوچھا تھا۔

"شعیب بھائی نے بھی روبوٹکس ہی پڑھا تھا نا۔ اس لیے انہوں نے اور گھر والوں نے کہا کہ میں بھی یہی پڑھ لوں۔" اس نے بے نیازی سے شانے

اچکائے ، اور پلیٹ میں یونہی بے مقصد چمچ ہلانے لگی، ماتھے پر ہلکی سی لکیریں نمایاں ہوئیں، تاثرات میں ناگواری سی امڈ آئی۔

"تو آپ خود روبوٹکس نہیں پڑھنا چاہتیں؟" اس سوال نے اسے مزید غیر آرام دہ کیا ، لیکن اس نے باقیوں پر ظاہر نہ کیا۔ وہ ایسی ہی تھی ، اپنے تاثرات اور جذبات ایک مصنوعی مسکان کے ساتھ چھپا لینے والی۔

"سچ بتاؤں تو نہیں۔ میں تو فیشن ڈیزائنگ کرنا چاہتی تھی لیکن۔۔ بس گھر والے مانے ہی نہیں۔ وہ تو تب بھی نہیں مانے تھے جب میں نے آئی سی ایس کی بجائے فائن آرٹس پڑھنے کا کہا تھا۔"چہرے پر ایک ہلکی سی مسکان لیے ، وہ دھیمے لہجے میں بولی، اس کا ایسا لہجہ کم ہی ہوا کرتا۔

"اوہ! تو ایسا ہے۔" نور کے بابا نے اثبات میں سر ہلایا، اور ساتھ ہی پانی کا گلاس لبوں سے لگا کر اس میں سے دو تین گھونٹ بھرے۔

"نور میڈم آپ ہمیں بتائیے۔۔ آپ کیوں سائیکولوجی پڑھنا چاہتی ہیں؟"مشعل نے دھیان اپنی طرف سے ہٹانے کے لیے اس سے پوچھا۔

"آپ کو کیوں پاگلوں کی ڈاکٹر بننے کا شوق ہے؟"نشرح نے سوال کی مزید وضاحت کی تو وہ ضعیف وجود ایک بار پھر کھل کر ہنس دیا۔

"بتاؤ بھئی! کیوں تمہیں پاگلوں کی ڈاکٹر بننے کا شوق ہے۔" نور نے انہیں یوں دیکھا جیسے کہہ رہی ہو کہ "بابا آپ بھی"۔پھر مسکرا کر دھیرے سے سر جھٹکا اور کرسی کی پشت سے ٹیک لگا لیا۔ اس کے سامنے پڑی پلیٹ میں کھانا تھوڑا سا ہی رہتا تھا۔اس نے پلیٹ کے ساتھ پڑے نیپکن کو اٹھایا، پھر لب تھپتھپائے، دونوں ہاتھ باہم ملاتے ہوئے ٹھوڑی کے نیچے ٹکائے ،اور پراعتمادی کے ساتھ ناک اونچی کر کے کہنا شروع کیا۔

"یہ میرا سب سے پسندیدہ سوال ہے۔ بس دوسرا سوال جو تم نے(اس نے نشرح کو دیکھا) پوچھا۔۔ وہ ٹھیک نہیں تھا۔۔ کیونکہ سائیکولوجی میں آپ

سب انسانوں کی نفسیات کو پڑھتے ہیں۔۔ صرف پاگلوں کی نہیں۔ سمجھ آئی؟" ان دونوں نے مسکرا کر تائیدی انداز میں سر ہلا دیا۔

"جب آپ مسائل پر غور کرتے ہیں ، تو زندگی میں مسائل مزید بڑھنا شروع ہو جاتے ہیں۔ لیکن جب آپ possibilities (امکانات) پر غور کرتے ہیں تو آپ کو زندگی مزید مواقع فراہم کرتی ہے۔" اس نے جو کہا ، اس میں دم تھا، لیکن اس وقت ، اس موقعے پر یہ کہنے کی وجہ یہاں موجود تینوں افراد کی سمجھ میں نہ آئی۔

"ہر انسان سے ملنے کے پیچھے کوئی نا کوئی وجہ چھپی ہوتی ہے۔ یا تو ان سے ملنے کے بعد وہ آپ کی زندگی بدل دیتے ہیں، یا پھر آپ ان کی زندگی بدل دیتے ہیں۔" وہ مزید بولی، مشعل نے چہرے پر نا سمجھی اور ناگواری کے تاثرات قائم کیے، اور کچھ بولنے ہی لگی تھی کہ نور نے اسے بولنے کا موقع نہ دیا۔

"اب یہ باتیں مجھے کس نے سکھائیں؟" اس نے سوالیہ انداز میں بھنویں اچکائیں۔

"آف کورس سائیکولوجی نے۔" اور پھر ہاتھ ہلکے سے ہوا میں لہرا کر، اپنے الفاظ پر زور دیتے ہوئے قدرے بلند آواز میں کہا تو اب اس کی گزشتہ باتوں کا مقصد سب کی سمجھ میں آنے لگا۔

"اوہ۔۔ یہ جو تم بول رہی تھی۔۔ وہ سب اس سے تعلق رکھتا تھا۔ اب میں سمجھی۔" مشعل سمجھنے والے انداز میں بولی۔نور نے ابرو اچکا کر اثبات میں سر ہلا دیا۔

اس کے بابا نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا، اس دوران کسی نے غور نہیں کیا کہ نشرح ریاض کی آنکھوں میں ایک عجیب سا تاثر ابھرا تھا، جس کے باعث اس کی آنکھوں میں ہلکی سی، بے حد ہلکی سی نمی ابھری، جسے اس نے ضبط کر لیا۔یک دم اس کے لیے یہ دنیا پرائی سی ہو گئی، بالکل پرائی۔

NOVEL HUT

"William James" "کے مطابق انسان کی سب سے بڑی دریافت یہ ہے کہ ایک انسان اپنی زندگی بدل سکتا ہے، اگر وہ اپنے ذہن کے رویوں کو بدل سکے۔" اس نے چھوٹا سا وقفہ لیا۔

".That's why I love Psychology"

("اسی لیے مجھے سائیکولوجی پسند ہے۔") پھر بے حد پر اعتمادی سے بولی تو سب مسکرا دیے، نشرح کی مسکان پہلے سے قدرے کم تھی۔

"ویسے نور تم ہمیشہ سب کو کنوینس کر لیتی ہو۔ مطلب تمہاری باتوں میں کافی دم ہوتا ہے۔" بولنے والی مشعل تھی، نشرح نے بھی ساتھ ہی "ہاں" کہا۔

"شکریہ شکریہ!۔" اپنا دائیاں ہاتھ سینے تک لے جاتے ہوئے، سر ہلکا سا جھکا کر، وہ تشکر سے بولی۔

NOVEL HUT

"اچھا نور! تمہارا کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے، اب کھانا کھا لو۔ اور تم نے تو ویسے بھی کھانا بہت کم لیا تھا، اس کے باوجود تم نے ابھی تک کھانا ختم نہیں کیا۔ مجھے سمجھ نہیں آتی کہ تمہارا کیا ہوگا۔ چچ چچ!۔" انہوں نے تاسف سے کہہ کر سر جھٹکا، وہ اس کی اس عادت سے کافی تنگ آچکے تھے، اس دوران وہ دونوں نور کو دانت نکال کر چڑا رہی تھیں جیسے کہہ رہی ہوں "اب مزہ آیا؟"

اور نور خاموشی سے سر جھکائے اب اپنے بابا سے ڈانٹ سن رہی تھی، جو اسے بہت پیاری تھی۔ اسے اور کسی چیز پر ڈانٹ نہیں پڑا کرتی تھی، سوائے اس معاملے میں۔ اس کے بابا کو آج تک یہ سمجھ نہیں آئی تھی کہ اتنی سمجھ دار اور ذہین نور النسا کھانا کھانے میں اتنی چور کیوں تھی؟

"تمہارا کچھ نہیں ہو سکتا ویسے۔ اللہ ہی تمہارا بھلا کرے۔" انہوں نے ہمیشہ کی طرح آخر میں ساری ڈانٹ (جو نور النسا کے مطابق صرف ایک صحت کے متعلق سنجیدہ سی گفتگو تھی) کا لبِ لباب یہ نکالتے ہوئے قدرے خفگی سے کہا۔

NOVEL HUT

****

ڈھائے کتنے ستم اس معصوم روح پر

سگے سنیارے تب بھی ناگوار نہ گزرے

حلیل ابراہیم رات کے کھانے سے تقریباً ایک گھنٹہ پہلے ہی گھر پہنچ گیا۔ وہ گھر نہیں، ایک شاندار اور بے حد خوبصورت قصر تھا جو کراچی کے علاقے کلفٹن میں آباد تھا۔ اس کی نیم پلیٹ پر تحریر تھا "قصرِ اعوان" ۔یہ خوبصورت اور دلفریب محل نما عمارت سبزہ زار کے درمیان کھڑی تھی اور اطراف میں کہیں نشیب میں جاتا تو کہیں اوپر کو اٹھتا سرسبز لان دکھائی دیتا۔ مسلح گارڈز گیٹ پر کھڑے تھے۔ اس کی سیاہ لینڈ کروزر کو آتا دیکھ کر انہوں نے گیٹ کھولا، اور اسے بے حد مؤدب انداز میں سلام کیا، اس کی سیٹ کی سائیڈ والا شیشہ نیچے تھا، سو اس نے وہیں سے ان کے سلام کا

جواب دیا، اور گاڑی آگے بڑھا دی۔ گاڑی سبزہ زار سے گزرتی پورچ میں آ رکی۔ وہ گاڑی سے اترا، لان میں اس وقت کوئی نہ تھا۔

لحظے بھر کے بعد وہ اندر بڑھا، اور سیدھا اس خوبصورت قصر کے عالیشان لونگ روم میں داخل ہوا۔

اس شاندار لونگ روم میں نگاہ دہراؤ تو ساری سنہری سی بتیاں روشن تھیں۔ ایک بڑے صوفے پر وہ ادھیڑ عمر شخص ٹانگ پر ٹانگ جمائے، سفید مردانہ شلوار قمیض میں ملبوس، اپنی سفید مونچھوں کو تاؤ دیتا، نظریں سامنے کچھ ہی فاصلے پر پڑے بڑے ٹی وی کی اسکرین پر جمائے ہوئے تھا۔ انہیں دیکھ کر حلیل ابراہیم کے چہرے پر ایک بے حد خوبصورت مسکان پھیل گئی۔

وہ آگے بڑھا کہ تب ہی وہ بوڑھا شخص قہقہے لگا کر ہنس دیا۔ اس نے یک دم ٹی وی کی اسکرین پر دیکھا۔ اس پر پی ٹی وی کا کوئی پروگرام چل رہا تھا۔ یہ

کسی شاہی دربار کا منظر تھا۔جہاں موجود لوگوں کے لباس اسی زمانے کے مطابق تھے، لیکن وہ کافی مضحکہ خیز تھے۔ وہ سر جھٹک کر مسکرا دیا۔

بل بتوری ناسا چوری

ادھی مٹی ادھی کوڑی

آئی ایم سوری، آئی ایم سوری

ٹی وی کی اسکرین سے اس مضحکہ خیز کردار کی آواز گونجی تو اس ضعیف مگر رعب دار آدمی کا قہقہہ ایک بار پھر بلند ہوا۔ وہ مسکراتا ہوا ان کے پاس گیا، اور ان کے سر پر چوما۔ان کے بال بھی ان کی مونچھوں کی طرح ہی بالکل سفید تھے۔ دائیں ہاتھ میں انہوں نے سہارے کے لیے گھرے بھورے رنگ کی چھڑی پکڑ رکھی تھی۔

"اسلام علیکم بابا! کیسے ہیں آپ؟" اسے دیکھ کر قہقہہ لگاتے شاویز اعوان نے سامنے پڑی میز پر رکھا رموٹ اٹھایا، اور ٹی وی کی آواز میوٹ کر دی۔

"میں بالکل ٹھیک، بس تمہارا ہی انتظار کر رہا تھا۔ آؤ بیٹھو۔" انہوں نے بے حد اپنائیت اور پیار سے اسے اپنے ساتھ صوفے پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ ان کے پاس آکر بیٹھا اور آنکھوں میں شرارت لیے کہنے لگا۔

"بابا آپ تھکتے نہیں ہیں یہ عینک والا جن دیکھ دیکھ کر؟" لہجے میں مصنوعی اکتاہٹ نمایاں تھی۔

"جی نہیں۔ اور میں باپ ہوں تمہارا۔ سمجھ آئی؟ آئندہ یہ سوال پوچھا نا تو ۔۔" وہ کہتے کہتے رکے، اور سوچنے لگے، وہ اپنے اس بیٹے کو آخر کیا دھمکی دے سکتے تھے۔

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے بابا میں آئندہ آپ کے اس عینک والے جن کے متعلق کچھ نہیں کہوں گا۔ آپ ناراض تو نہ ہوں۔" وہ یک دم مسکرا دیے، اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولے۔

"حلیل تمہیں لگتا ہے کہ میں تم سے کبھی ناراض ہوں گا؟" وہ یہ سن کر مسکرا دیا، اور نفی میں سر ہلا دیا۔

اب وہ اس سے آج کے دن کا حال احوال پوچھنے لگے، وہ بھی انہیں سارے دن کی روداد سنانے لگا۔

کچھ دیر بعد انہوں نے میز پر سے رموٹ اٹھایا، کہ ایک دم کچھ یاد آنے پر اسے دوبارہ میز پر دھرا۔

"افتخار ابھی تک نہیں آیا؟" انہوں نے وال کلاک پر وقت دیکھا۔ کتنے کتنے دن وہ لوگ اس کے بغیر کھانا کھا لیا کرتے، کبھی تو ایسا ہو کہ وہ چاروں (بشمول افتخار شاویز کی زوجہ) مل کر کھانا کھاتے۔

"جی بابا ! افتخار بھائی کو کوئی کام تھا بس۔ اس لیے نہیں آئے۔" وہ رک رک کر بولا۔ شاویز صاحب نے اس کے چہرے کو بغور دیکھا۔

"آفس میں ہی ہے وہ؟" چہرے کے تاثرات تن گئے تھے۔

"جی۔" اس نے یک حرفی جواب دیا۔

"اس کی سیکرٹری بھی ادھر ہی تھی؟" اور حلیل کو لگا کہ اس کے حلق میں کوئی پھندا سا لٹک گیا ہو۔اس نے جواب دینے کے لیے لب کھولے، مگر زبان سے ایک لفظ بھی ادا نہ ہو سکا، لب جیسے آپس میں سل گئے ہوں۔

"میں سمجھ گیا۔ تو وہ وہیں ہے۔افتخار کے ساتھ۔" انہوں نے تاسف بھرے لہجے میں کہا، اور ساتھ ہی حلیل کے کندھے تھپتھپائے۔ حلیل نے کچھ نہ کہا، اس نے بس افسوس سے سر جھکا لیا۔

(پس منظر میں، لونگ روم کے دروازے کے ایک طرف لپکی وہ عورت جو شلوار قمیض میں ملبوس تھی اور سر پر دوپٹہ اوڑھ رکھا تھا، یہ سن کر کرب، تکلیف اور بے بسی سے لب کاٹتے رہ گئی، گہری بھوری آنکھوں سے آنسو لڑھک کر گال کو چھو گیا، وہ اقصیٰ نواز تھی، افتخار شاویز کی بیوی۔

بے بسی اور دل گرفتگی سے وہ آنسو بہاتی یہاں سے ہٹی، اور بڑے لاؤنج میں سے اوپر کی طرف جاتی سیڑھیوں کی جانب دوڑی، پھر اوپر اپنے کمرے میں چلی گئی، دروازہ زور سے بند کیا، اور اس کے ساتھ ٹیک لگا کر فرش پر ڈھے سی گئی۔ اس کا سانس پھول رہا تھا، وہ گھٹنوں پر سر دیے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی، اپنی قسمت پر، اپنے نصیب پر۔)

"تم ویسے افتخار کا جتنا پردہ رکھتے ہو، مجھے حیرت ہوتی ہے۔ اس نے تو تمہارا کبھی اتنا خیال نہیں کیا، بلکہ ہر پل تمہیں کسی نا کسی طرح نقصان پہنچانے کی ہی کوشش کی ہے۔ اور ایک تم ہو کہ۔۔" حلیل نے ان کی بات کاٹ دی۔

"وہ میرے بھائی ہیں بابا۔ میں ان کے ساتھ آخر کیسے برا کر سکتا ہوں؟ اور جہاں تک بات ہے ان کا پردہ رکھنے کی، تو یہ اللہ کا حکم ہے کہ ہم دوسروں کے عیب اچھالنے کی بجائے ان پر پردہ رکھیں۔" انہیں دیکھتے ہوئے، اس نے نرمی سے کہتے ہوئے وقفہ لیا۔

"لیکن کسی کے عیبوں پر پردہ تب رکھنا ہوتا ہے جب اس گناہ یا غلطی سے کسی دوسرے کو نقصان نہ پہنچے۔ اور ہم دونوں یہ بات جانتے ہیں کہ افتخار کی ان حرکتوں سے سب سے زیادہ نقصان کس کا ہو رہا ہے۔" وہ سمجھ گیا تھا، ان کا اشارہ اقصیٰ بھابھی کی جانب تھا۔ اس نے خاموشی سے سر جھکا لیا، وہ جانتا تھا، وہ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔

"کاش جتنا پیار تم اپنے بھائی سے کرتے ہو، اتنا ہی وہ بھی تم سے کرتا ہوتا۔" ان کے لہجے میں تکلیف، دکھ اور نہ جانے کیا کیا تھا، یہ صرف ایک باپ ہی سمجھ سکتا تھا۔ حلیل نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کے پاس کہنے کو کچھ نہ تھا۔

"یہ ماننا انسان کے لیے بے حد مشکل اور تکلیف دہ ہوتا ہے کہ اس کے سگے بہن بھائی، جن کا کام ایک دوسرے کا ساتھ دینا اور ہمت بندھانا ہے، وہی آپ کے سب سے بڑے اور خطرناک دشمن بن جائیں۔

NOVEL HUT

شاویز صاحب نے مزید کوئی بات کہے میز پر سے ریموٹ اٹھایا، اور ٹی وی کی آواز بحال کر کے دیکھنے لگے۔ وہ جانتا تھا، نو بجے تک وہ افتخار بھائی کا انتظار کریں گے۔ خاموشی سے صوفے کی پشت کے ساتھ ٹیک لگائے، وہ خلا میں دیکھنے لگا، دل و دماغ میں کش مکش اور تکلیف کا سماں تھا۔

****

کیں لاکھ ریاضتیں، کہے ان گنت جھوٹ، اِک تیری خاطر

باوجود اس کے، تو پھر بھی ہمارا نہ ہو سکا

وہ دونوں کیفے ٹیریا سے باہر نکلیں تو باہر سبزہ زار پر بنی روش پر باری باری قدم بڑھانے لگیں۔ وہ یونہی ایک دوسرے سے ادھر ادھر کی باتیں کر رہی تھیں۔ میری کے تاثرات پہلے سے کافی خوشگوار اور نرم تھے۔ پرندوں کی چہچہاہٹ ، ہوا کے باعث درختوں کے پتوں کی سرسراہٹ ، اور دور کہیں

کسی گاڑی کے گزرنے کی آواز ماحول میں رقص کر رہی تھی۔ ایک سکوت سا چھایا تھا ہر طرف۔

یکلخت ہر سو پھیلے سکوت اور تمکنت میں گیٹار کے موسیقی کی دھن نے خلل پیدا کیا۔ وہ دونوں ایک ساتھ ہی مڑیں اور دیکھا کہ ان سے چند قدموں کے فاصلے پر وہ شخص کھڑا تھا جو گہرے بھورے رنگ کی ہائی نیک، اور سیاہ پینٹ میں ملبوس تھا، ماتھے پر بکھرے ہلکے بھورے رنگ کے بال، شہد رنگ آنکھیں، چہرے پر ایک معنی خیز مسکان پھیلائے ،وہ ان کی جانب بڑھا ۔ اس کی انگلیاں ہنوز گیٹار کی تاروں پر رقص کر رہی تھیں۔

ایمیلیا یہ دیکھ کر بے حد محظوظ ہو رہی تھی، جب کہ اس کے بر عکس میری کے چہرے پر ایک کے بعد ایک رنگ آ کر گیا۔

وہ اب اس کے سامنے آ کھڑا ہوا، گیٹار کو ہوا میں لہرا کر، وہ گھٹنوں کے بل اس کے سامنے بیٹھا۔

NOVEL HUT

“Ciao” ("ہیلو!۔") اور پھر اپنا ہاتھ میری کی طرف بڑھا کر بولا، اس نے سرخ پڑتے چہرے کے ساتھ ایک نظر ایمی کو دیکھا اور پھر اپنے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھے اس نوجوان کو۔

وہ ناگواری سے سر ہلاتے، بازو سینے پہ لپیٹے، پلٹی اور پیر پٹختی جانے لگی۔ وہ بھی اس کے پیچھے لپکا، ایمی کو بالکل نظر انداز کر کے۔

"میری سنو تو۔۔"اس تک تیز قدموں کے ساتھ چلتے ہوئے وہ قدرے فکرمندی سے بولا تو اس نے مڑ کر اسے دیکھا، چہرے پر ایک جبری مسکان قائم کی۔

"اوہ۔۔تو۔۔ گیبریل۔ کیسے ہو؟"لہجہ طنز و استہزاء سے بھرپور تھا۔ وہ جان گیا تھا کہ اسے اس کی کچھ ہی دیر پہلے کی جانے والی حرکت بالکل پسند نہیں آئی۔

"میں تو ٹھیک ہوں تم اپنا بتاؤ۔ کہاں گم ہو آج کل؟"اس نے سنبھل کر، دوستانہ انداز میں پوچھا۔

"میں تو یہیں ہوں۔ میں کہاں جاؤں گی؟ تم اپنا بتاؤ۔" لہجے میں طنز ابھی بھی قائم تھا۔

"میں۔۔ بس آج کل اپنی نئی جاب میں مصروف ہوں۔ اور ساتھ ساتھ یونیورسٹی کی پڑھائی بھی ہے۔"اس نے بے نیازی سے سر کھجایا، وہ دونوں اب سبزہ زار پر بنی روش پر ایک ساتھ چل رہے تھے، ایمی ان سے پیچھے قدرے فاصلے پر چل رہی تھی، بظاہر تو وہ ارد گرد دیکھ رہی تھی، لیکن اس کی آنکھیں اور کان ان دونوں کی طرف لگے تھے۔

"تم نے یونیورسٹی کب جوائن کی؟"میری نے رک کو پوچھا۔

"یہی کوئی ایک ہفتے پہلے۔" جواب ایک مختصر وقفے کے بعد دیا گیا۔

"اور جاب؟" اس نے تڑاخ سے پوچھا۔

"تقریباً ۔۔ دو ہفتے پہلے۔" چہرے پر سوچ کی شکنیں قائم کیے، جواب چند لمحے بعد دیا گیا۔ میری نے اس دوران اس کے تاثرات کے اتار چڑھاؤ کا اچھے سے ملاحظہ کیا تھا، مگر اس پر ظاہر نہ کیا۔

"اوہ۔۔ تو تمہاری جاب کا نیچر آف ورک کیا ہے؟" وہ دونوں اب دوبارہ سے روش پر چلنے لگے تھے۔ ارد گرد مچلتی ٹھنڈی ہوا میری کے لمبے سنہرے بالوں کو دھیرے سے چھو کر گزرتی۔

"وہ۔۔ یہ دراصل ایک پریس کمپنی ہے، جہاں انہیں ایک فوٹوگرافر کی تلاش تھی۔ میں نے اخبار میں ہی پڑھا تھا اس بارے میں، پھر بغیر کچھ سوچے سمجھے اور وقت ضائع کیے، وہاں اپلائے کر دیا۔ اور نتیجہ تمہارے سامنے ہے۔ تنخواہ زیادہ نہیں ہے، لیکن گزارا ہو جاتا ہے۔ تم تو جانتی ہو، ماما اور پاپا کے جانے کے بعد کتنی مشکل سے میرا اور مارٹینا کا گزر بسر ہوا۔ ایسے میں مجھے کہیں نا کہیں جاب تو کرنی ہی تھی۔" اس نے اچنبھے سے اسے گھور کر دیکھا، وہ اس کے اس تاثر کی وجہ سمجھ گیا تھا۔

NOVEL HUT

"تم کس یونیورسٹی میں جا رہے ہو؟" سوال سن کر وہ چند لمحے خاموش رہا۔

Conservatorio di Bologna, Giovanni Battista"

Martini." پھر رک رک کر بولا، وہ کچھ کش مکش کا شکار لگ رہا تھا۔

"مطلب تم میوزک سیکھو گے؟ رائٹ؟"

"میوزک مجھے پہلے سے ہی آتا ہے۔ یہ تو بس کچھ پڑھنا تھا تو سوچا میوزک کے بارے میں ہی پڑھ لیا جائے۔ کچھ اور پڑھتا تو ضرور بور ہو جاتا۔" اس نے شانے اچکا دیے، میری نے اثبات میں سر ہلایا۔

"ویسے کیا تم کل یونیورسٹی گئے تھے؟" کچھ دیر بعد میری نے پوچھا۔

"ہاں نا۔" اس نے فوراً بتایا۔

"اچھا تو۔۔ کیا ٹائمنگ ہوتی ہے تمہاری یونیورسٹی کی؟" اسے اس سوال کی توقع نہ تھی۔

"صبح آٹھ تیس پر پہنچتا ہوں۔ اور بارہ بجے تک میں کوشش کرتا ہوں گھر واپس آجاؤں۔"وہ بولا تو بیچ میں اس کی زبان لڑکھڑائی تھی۔

"اچھا۔ گھر کیوں؟ جاب پر نہیں جانا ہوتا تمہیں؟"اب کی بار گیبریل ڈانٹے نے دیکھا کہ میری کروز کے چہرے پر ایک ہلکی سی معنی خیز مسکراہٹ کا بسیرا ہوا تھا، وہ اس کی وجہ سمجھ نہ سکا، مگر کچھ غلط ہو رہا تھا، جو وہ جان نہیں پا رہا تھا۔

"وہ گھر آکر ذرا فریش ہو کر جاتا ہوں نا۔"اس نے نظریں چڑاتے ہوئے قدرے ناگواری سے کہا۔

"وا بینے! وا بینے (سہی سہی)۔"اس نے اثبات میں سر کو دھیرے سے جنبش دی، مسکان اب غائب ہو چکی تھی۔

وہ یک دم رکی، اور اس کی طرف مڑ کر، ابرو بھینچ کر، بازو سینے پر لپیٹے اسے گھورنے لگی۔

"سنو گیبریل۔"اس نے ایک گہری سانس اندر کو کھینچی، پھر بولی۔

NOVEL HUT

"کل میں نے تمہیں ایک بار میں دیکھا اپنے دوستوں کے ساتھ۔ صبح کے تقریباً دس بجے۔"اس نے ہر لفظ پر زور دیا۔ گیبریل کے چہرے کا رنگ فق پڑ گیا۔ وہ کافی دیر کے لیے کچھ بول ہی نہ پایا، یوں کہ اس میں بولنے کی سکت ہی ختم ہو گئی ہو، اسے لگ رہا تھا کہ کچھ دیر پہلے کی گئی اس کی ساری مشقتیں رائیگاں چلی گئی ہیں۔

"کل؟ مجھے؟ "وہ بوکھلا سا گیا تھا، پھر بھی انجان بننے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"تم نے جھوٹ کیوں بولا گیبریل؟"اس نے دھیمے مگر سخت اور تاسف بھرے لہجے میں سر ہلا کر پوچھا۔

"جھوٹ؟ اور میں نے؟ میں خداوند یسوع مسیح کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے کوئی جھوٹ نہیں بولا۔"میری کے ابرو مزید تندھی سے سکڑ گئے، وہ لب کاٹے اسے غصیلی نگاہوں سے گھورتی رہی، اسے دکھ تھا، کس طرح اس نے ابھی ابھی خدا واند کی جھوٹی قسم کھائی، اور مزید دکھ اس بات کا تھا

کہ یہ عمل صرف اسی کا نہیں، بلکہ اور بھی بہت سے لوگوں کا روزمرہ میں کیا جانے والا گناہ تھا۔

(کتنی آسانی سے لوگ اپنے اپنے خدا کی جھوٹی قسم کھا لیتے ہیں، ہے نا؟ اس نے دل ہی دل میں تاسف سے سوچا۔)

"چچ! تم کتنے گرے ہوئے انسان ہو۔" وہ آنکھوں میں بے پناہ حزن لیے بولی، پھر خفگی اور برہمی سے مڑ کر جانے لگی۔

"میری۔۔ سنو۔۔ کیا ہو گیا؟" وہ اس کا راستہ روکتے ہوئے بالکل اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

"اچھا سنو تو۔" اس نے ہاتھ سے اسے ہٹ جانے کا اشارہ کیا تو وہ التجائیہ انداز میں بولا۔

"تم جانتے ہو نا گیبریل ڈانٹے! مجھے جھوٹ اور جھوٹ بولنے والوں سے نفرت ہے۔" شہادت کی انگلی اس کی جانب بڑھاتے ہوئے وہ بولی تو اس کی آواز قدرے بلند تھی۔

گیبریل کے ہونٹ تو جیسے سل ہی گئے تھے، اسے سمجھ ہی نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا بولے، کیسے اپنے جھوٹ کی اس کے سامنے وضاحت پیش کرے۔

"تم نے جھوٹ کیوں بولا؟ ہاں؟"

"وجہ تم اچھے سے جانتی ہو۔"

اور یہاں میری کا ضبط جواب دے گیا۔

" گیبریل۔۔ میں تمہیں کتنی بار بتا چکی ہوں کہ ہم صرف دوست ہیں۔ تمہیں ایک بار کیوں نہیں سمجھ آتی یہ بات؟ ہاں؟" وہ گویا غرائی تھی۔

"اور ہاں! انکل مارکو(گیبریل ناگواری اور شرمندگی سے لب کاٹنے لگا) اگر تمہیں گھر کا خرچہ دیتے ہیں تو اس میں کوئی برائی نہیں۔ " وہ رکی، اس کا سانس پھول رہا تھا۔

(گیبریل یہی نام اس کی زبان سے نہیں سننا چاہتا تھا، اس نے گویا اس کی دکھتی رگ پر وار کیا تھا۔)

NOVEL HUT

"وہ تم دونوں بہن بھائیوں کے ساتھ اتنے اچھے ہیں، تو پھر تمہیں ان سے خرچہ لیتے ہوئے اتنی شرمندگی کیوں محسوس ہوتی ہے؟ وہ تمہارے پاپا کے چھوٹے بھائی ہیں، یہ تو ان کا فرض بنتا ہے ۔۔ ہے نا؟ اور ایک بات تو میں جانتی ہوں کہ تمہارا یونیورسٹی میں داخلہ بھی انکل مارکو نے ہی کروایا ہوگا۔"اور اس دوران پہلی بار گیبریل ڈانٹے کی آنکھوں میں غصہ امڈ کر آیا تھا، جسے میری نے سرے سے ہی نظر انداز کر دیا ، اور اپنی بات جاری رکھی۔

" تم اگر مجھے یہ بات سیدھی سیدھی بتا دیتے تو مجھے برا نہ لگتا۔ اس میں برا لگنے والی بات ہی کیا تھی؟ کیا تمہیں لگا تھا کہ میں تمہارا مذاق اڑاؤں گی؟"اس کی آواز میں اب حیرت تھی ۔

"تم صحیح کہہ رہی ہو۔ ہم صرف دوست ہیں ۔ "چند لمحے بعد خود کو نارمل کرتے ہوئے وہ بولا تو میری کی حیرت مزید بڑھ گئی ، کیا اس نے اس کی اتنی لمبی لمبی باتوں کا صرف اتنا مختصر اور بے تکا جواب دینا پسند کیا؟چچ چچ !۔

" گڈ! اب یہ بات آئندہ مت بھولنا۔" تلخی سے کہتے، وہ کچھ سوچنے لگی۔

"اور سنو۔" پھر بے حد سنجیدگی سے گویا ہوئی۔

"میں اگر کبھی کسی شخص سے کسی تعلق میں بندھوں گی، تو اس کی وجہ کبھی بھی اس شخص کی دولت یا پھر شہرت نہیں ہوگی۔" اس نے ہر لفظ چبا چبا کر کہا۔

"پھر کیا ہوگی اس کی وجہ؟ ہاں؟" اس کی طرف ہلکا سا جھک کر، وہ بھی بے حد سنجیدگی سے بولا۔

"فار گاڈ سیک! (خدا کے لیے اب بس کرو!)" اس سے دور ہٹتے وہ غصے سے بولی، پھر پیر پٹختی دور کھڑی ایمی کو جو ان دونوں کو ہی دیکھ رہی تھی، اسے ہاتھ سے جانے کا اشارہ کیا، اور گیبریل سے مزید کچھ کہنے کی بجائے، آرٹس اکیڈمی سے باہر نکل آئی۔

گیبریل وہیں کھڑا، مٹھیاں بھینچے، دل ہی دل میں سلگتا رہا۔ اسے یہ ہستی ایک دم پرائی نہیں، بے حد پرائی محسوس ہو رہی تھی۔

"آخر کیوں میری؟" فٹ پاتھ پر چلتے ہوئے ایمی نے اس سے سوال کیا۔

"کیا؟"اس نے نا سمجھی سے ارد گرد دیکھتے ہوئے پوچھا۔

" گیبریل تمہیں اتنا چاہتا ہے۔ اور تو اور وہ کافی اچھا ہے۔ اور ہینڈسم بھی ۔"اس نے اس کے کندھے پر ہاتھ مارتے ہوئے ، اور ایک آنکھ دباتے ہوئے ، اسے زچ کرنے والے انداز میں کہا۔ میری نے جواباً ناگواری سے سر جھٹکا۔

" تم اس کے بارے میں ایک بار سوچ کر کیوں نہیں دیکھتی۔"وہ کافی اپنائیت سے بولی۔

"نہ۔۔ وہ میرے ٹائپ کا نہیں ہے۔" اس نے جھرجھری لے کر کندھے جھٹکائے۔

"لیکن۔۔ مجھے ایسا نہیں لگتا۔ دیکھو اسے بھی تمہاری طرح میوزک سے کس قدر لگاؤ ہے۔ تم دونوں کے کافی شوق ایک جیسے ہیں۔ تو پھر؟" وہ بولی جا رہی تھی، میری کے چہرے پر ناگواری کے تاثرات میں خوب اضافہ ہو رہا

تھا۔

"مجھے تو لگتا ہے تم دونوں کی خوب بنے گی۔ "اس نے مسکرا کر چڑانے والے انداز میں کہا۔ میری کے فٹ پاتھ پر چلتے ہوئے قدم زنجیر ہوئے، وہ اس کی طرف گھومی، اور گردن اکڑا کر، ناک اونچی کرتے ہوئے، چہرے پر ایک معنی خیز مسکان قائم کیے پوچھنے لگی۔

"تمہیں روبرٹ دے نیرو ("Robert De Niro") کیسا لگتا ہے؟"

"یہ بھی کوئی سوال ہے؟ ظاہر سی بات ہے وہ مجھے بہت۔۔ بہت پسند ہے۔"ایمی نے دونوں ہاتھ باہم ملا کر، بے حد مسرت بھرے لہجے میں کہا۔

"اوہ تو ایسا ہے۔ پھر جاؤ۔۔ اور اس سے جا کر شادی کر لو۔"اس نے تڑخ کر کہا، یہ اس کے لیے کافی غیر متوقع بات تھی۔

"میری!!۔" وہ حیرت سے بولی۔

"اب سمجھ آئی۔ ضروری نہیں ہے کہ اگر آپ کو کوئی انسان اچھا لگے، یا پھر اس کی کوئی بات یا کوئی عمل دل کو بھائے تو آپ کو اس سے محبت بھی

ہو۔ اور نہ ہی ایسا ہے کہ اگر کسی میں کوئی بات مشترکہ ہے تو آپ دونوں اچھے لائف پارٹنرز ہو سکتے ہیں۔ ہونہہ!۔"اس نے بغیر رکے، میکانکی سے انداز میں کہہ ڈالا، اور ہاتھ سے اسے چلنے کا اشارہ کرتے، آگے بڑھنے لگی۔ ایمی اسے پلک جھپکائے دیکھتی رہ گئی۔

("یہ لڑکی کیا چیز ہے؟")

باقی کا پورا راستہ ان دونوں کی اس بارے میں کوئی بات نہ ہوئی۔ میری ویسے ہی ہمیشہ کی طرح ارد گرد کے ماحول سے لطف اندوز ہوتی رہی، اور ایمی، اسے بس ہوسٹل پہنچنے کی جلدی تھی، ارد گرد کے ماحول میں اسے تو کوئی دلچسپی نہ تھی۔

NOVEL HUT

"ویسے میری!۔" ہوسٹل پہنچ کر، داخلی دروازے سے اندر جاتی میری کو اس نے پکارا، تو وہ مڑی اور ابرو سوالیہ انداز میں اچکا کر اسے دیکھا۔

"اگر روبرٹ کبھی مجھ سے کانٹیکٹ کرے تو شاید میں ہاں کر دوں۔ میں نے نہ اس لیے کیا تھا کیونکہ میں جانتی ہوں کہ اس کا ملنا بالکل نا ممکن ہے۔ ورنہ اس جیسے ہینڈسم آدمی کو کون انکار کرے؟" اور یہ سن کر میری کھلکھلا کر ہنس دی، اور اتنا ہنسی کے اس کے رخسار سرخ پر گئے۔ ایمی بھی اس کے ساتھ یونہی ہنستی رہی۔

"تمہارا کچھ نہیں ہو سکتا۔" مسکرا کر کہتی وہ اس کے ساتھ اندر چلی گئی۔

* * * * * * * * * * * *

ظاہر سے ہی دیکھا تو دیکھا ہر شے کو

کاش! کبھی تو باطن سے دیکھ لیا ہوتا

صبح کے دس بجے کے قریب اسے ازلان کی کال موصول ہوئی، اس وقت وہ دفتر میں تھا، ازلان کی آواز سے صاف پتا چل رہا تھا کہ وہ کچھ پریشان

تھا۔ اس نے کال پر اس سے ملنے کی خواہش ظاہر کی تو اس نے ایک گھنٹے تک اس سے ملنے کا وعدہ کیا، اور پھر کام میں مصروف ہو گیا۔

گیارہ بجے کے قریب وہ دفتر سے نکلا، اس وقت وہ سیاہ رنگ کے سویٹر، اور ہم رنگ جینز میں ملبوس تھا۔ سیاہ بال نفاست سے پیچھے کو سیٹ تھے ۔گہری بھوری آنکھیں سیاہ سن گلاسز کے پیچھے سے بھی خوب روشن ہو رہی تھیں۔

وہ اپنی لینڈ کروزر میں سوار، کراچی کے ساحلی نظارے پہنچا۔ وہ گاڑی خود ڈرائیو کر کے آیا تھا۔

اس وقت ساڑھے گیارہ بج رہے تھے۔ افق پر سورج اپنی سنہری کرنیں ہر سو پھیلائے ہوئے تھا، موسم میں خنکی کافی کم تھی، فروری کا آخر چل رہا تھا، اور رمضان کی آمد آمد تھی، ان دنوں رمضان کا بابرکت مہینہ جاڑے میں آیا کرتا۔

وہ ساحل سمند کے کنارے جا پہنچا جہاں عظیم الشان بحیرہ عرب شہر کی متحرک روح سے جا ملتا، جہاں سمندری جھاگ کے نازک نمونے آفتاب کی کرنوں سے روشن تھے اور وہاں تک پھیلے تھے جہاں تک آنکھ دیکھ سکے۔ یہ ہر فرد کو اپنی شان و شوکت اور خوبصورتی سے لطف اندوز ہونے کی دعوت دیتے۔ ارد گرد مچلتے ہوا کے ہلکے ہلکے جھونکے لہروں کے راز کی سرگوشی کر رہے تھے۔

حلیل ابراہیم نے آنکھوں سے سن گلاسز ہٹائے اور جینز کی جیب میں اڑسے، پھر ارد گرد ایک نگاہ دہرائی اور چھوٹا بٹنوں والا موبائل جینز کی جیب سے نکالا، چند ایک بٹن دبا کر ازلان کا نمبر ملایا۔

دوسری جانب ایک دو بار رنگ گئی، لیکن تب ہی اس کے کندھے پر کسی نے زور سے ہاتھ رکھا، حلیل ابراہیم مسکرایا، موبائل کان سے ہٹایا، اور پیچھے مڑ کر اپنے سامنے کھڑے اس آدمی کو دیکھا جو شرارت سے اسے دانت نکالتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ وہ نیلی جینز اور سفید رنگ کی مکمل آستینوں والی

NOVELHUT

شرٹ میں ملبوس تھا۔ سیاہ بالوں کو ہمیشہ کی طرح سرسری سے انداز میں ایک طرف کو سیٹ کیا ہوا تھا۔

"اچھا تو کہاں ہے وہ؟" ازلان نے مسکراہٹ دبائی۔ حلیل کے ماتھے پر نا سمجھی کی کئی شکنیں نمایاں ہوئیں۔

"کون؟"

"وہی جس کے ساتھ تم یہاں آئے ہو۔" وہ اسے ٹکر ٹکر دیکھے گیا۔

"اوہ شرماؤ مت، میں تمہارا دوست ہوں، بتاؤ بھابھی کہاں ہیں؟" اور حلیل محض افسوس سے سر جھٹک کر رہ گیا۔

"حد ہوتی ہے ازلان ویسے۔ میں یہاں تمہارے لیے آیا ہوں اور تم ہو کہ۔۔ چھوڑ دو۔۔ مجھے یہاں آنا ہی نہیں چاہیئے تھا۔" وہ بظاہر ناگواری اور غصے سے کہتا جانے لگا کہ تب ہی ازلان نے اسے بازو سے پکڑ کر روکا۔

"یار کیا ہو گیا ہے؟ مذاق کر رہا تھا۔ سیریس کیوں ہو جاتے ہو۔" وہ بولا تو حلیل نے ایک نظر اسے دیکھا، پھر رک گیا، اس کے چہرے کے تاثرات آج کچھ مختلف تھے، ایسا حلیل کو محسوس ہوا۔

"مجھے اور بھی بہت سے کام ہیں۔ سمجھ آئی؟ میں یہاں تمہارے ہاتھوں ذلیل ہونے نہیں آیا تھا۔" وہ آگے چلتا گیا، اور ازلان اسے معنی خیز مسکان سے دیکھنے لگا، پھر پلٹ کر ساحل سمندر کی خوبصورت لہروں کو دیکھنے لگا۔ وہ جانتا تھا، وہ نہیں جائے گا۔

لحظے بھر کے بعد وہ اس کے ساتھ کندھے سے کندھا ملائے، آکھڑا ہوا۔

"اب یہاں آ ہی گیا ہوں تو سوچا تمہاری بکواس سن کر ہی جاؤں۔" وہ لہجے میں مصنوعی سردمہری قائم کیے بولا، تو ازلان سر جھٹک کر مسکرا دیا۔

"سچ تو یہ ہے حلیل ابراہیم ! کہ تم مجھے پریشان نہیں دیکھ سکتے۔" وہ کافی
مان سے بولا تو حلیل نے کوئی جواب نہ دیا، اس کی خاموشی اس کی بات کی
صداقت ظاہر کر رہی تھی۔

(دوستی یا کسی بھی رشتے میں ہر شے یا جذبے کا اقرار کرنا ضروری نہیں۔
مخلصی، محبت اور وفاداری الفاظ سے نہیں، اعمال سے ظاہر ہوتی ہے۔)

"اچھا بتاؤ۔ کیوں بلایا تم نے مجھے؟" اس نے یاد آنے پر پوچھا تو ازلان لب
کاٹتے ہوئے ارد گرد دیکھنے لگا، پھر چھوٹے چھوٹے قدم لیتا آگے بڑھنے لگا،
وہ بھی اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ اس کے چہرے کی مسکان بے حد
پھیکی پڑ چکی تھی۔ ہلکی سبز آنکھوں میں اداسی سی شامل تھی۔

NOVEL HUT

(کچھ ہی فاصلے پر ایک اونٹ کے اوپر دو تین بچے سوار تھے، وہ اونٹ اپنے
سواروں کو ساحل کی سیر کروا رہا تھا، ان میں سے ایک بچہ مسرت بھرے
قہقہے لگا رہا تھا بلکہ خوشی اور پرجوشی سے تقریباً چیخ رہا تھا، اور دوسرا بچہ

بری طرح رو رہا تھا، یوں ظاہر ہوتا کہ اسے اس اونٹ اور اس اونچائی پر سوار ہونے سے کافی ڈر لگ رہا تھا، ان کے والدین دور بیٹھے انہیں دیکھ رہے تھے، اور اس پرفتن نظارے کی یادوں کو ذہن کے پردوں میں قید کرنے میں محو تھے۔)

"مجھے آج تک بس ایک بات سمجھ نہیں آئی حلیل۔" وہ نیلی جینز کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے، سر جھکائے، اور پیر سے ساحل سمندر کی سنہری سی ریت اڑاتا بول رہا تھا، لہجے میں شکستگی، مایوسی، نامیدی اور بے چینی سی جھلک رہی تھی۔

"تمہارے پلے تو خیر کچھ بھی نہیں پڑتا۔" وہ اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے زیر لب ہلکا سا مسکرا کر بولا، لیکن اس کا مقصد اس پر طنز کرنا نہیں تھا، وہ تو صرف اس کا موڈ ہلکا پھلکا کرنا چاہ رہا تھا۔

"میں مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں اس وقت۔ سیریس ہوں میں۔" وہ اسے

دیکھ کر کافی سنجیدگی سے بولا، حلیل نے اسے یوں دیکھا جیسے کہہ رہا ہو "تم سیریس بھی ہوتے ہو؟"

ازلان اس کے تاثرات سمجھ گیا تھا اسی لیے اس سے نظریں ہٹا لیں۔

"اوکے اوکے۔ میں بھی سیریس ہوں۔ بتاؤ ایسی کون سی بات ہے جو تمہارے پلے نہیں پڑ رہی؟" اس نے بے حد نرمی سے اپنی پوری قوت سے اس کے کندھے پر ہاتھ مارا، ازلان نے اسے گھور کر دیکھا، (اس کا ہاتھ کتنا بھاری تھا اف اف) اور پھر ایک گہری سانس اندر کو کھینچی۔

"دیکھو! ذرا غور سے سننا میری بات۔" اس نے بولنا شروع کیا، حلیل نے سر کو اثبات میں جنبش دی۔

"لیکن ۔۔مجھے نہیں لگتا کہ تم میری بات سمجھ پاؤ گے۔" وہ کافی مایوس نظر آ رہا تھا، نظریں ریت پر جمی تھیں۔

"ٹھیک ہے۔ پھر میں چلتا ہوں۔" حلیل مڑنے لگا، تو اس نے اس کا بازو پکڑ لیا۔

NOVEL HUT

"کتنے بدتمیز ہو تم۔ آخر۔۔ آخر تم کس قسم کے دوست ہو؟ ہاں؟" وہ تاسف سے غرایا۔

"اب ایسا بھی کیا کر دیا میں نے؟تم نے خود ہی تو کہا جانے کو۔" وہ بے حد معصومیت سے بولا۔

("میں نے کب بولا جانے کو؟")

"ہاں ! میں نے کہا اور تم نے مان لیا۔ اپنے دوست کو پریشانی کی حالت میں تنہا چھوڑ کر جاؤ گے؟ چچ چچ ! کیا زمانہ آگیا ہے۔ دوست بھی اب برے وقت میں آپ کا ساتھ چھوڑ جاتے ہیں۔ ہونہہ ! ۔" وہ افسردگی اور ناگواری سے سر ہلاتا کہہ رہا تھا۔

NOVEL HUT

"اچھا اب تم لڑکیوں کی طرح منہ بنانا بند کرو۔ اور بتاؤ کیا مسئلہ ہے؟" وہ چڑ کر بولا، اسے اس کی یہ بات بالکل پسند نہیں آئی، لیکن ابھی وہ اس سے لڑنے کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔ اسی لیے وہ چند قدم آگے بڑھا، وہ بھی اس کے ساتھ ہی آگے بڑھنے لگا۔

ایک دم وہ رکا، ریت کے درمیان سوفٹ ڈرنکس کی خالی بوتلیں گری تھیں ، ساتھ ہی کئی خالی لنچ باکس کے ڈبے وغیرہ۔

("لوگ یہاں آکر ادھر کی خوبصورتی سے لطف اندوز تو ہو جاتے ہیں، لیکن بدلے میں اس جگہ کو کیا دیتے ہیں؟ یہ سب؟ اسے خوبصورت سے بد صورت بنانے میں انہیں کیا مزہ آتا ہے؟")

ازلان نے اسے سوالیہ نگاہوں سے دیکھا، وہ نفی میں سر ہلا کر جیسے کہہ رہا ہو کہ "کچھ نہیں، بس ویسے ہی کچھ سوچ رہا تھا" آگے بڑھنے لگا، انھی ہزاروں افراد کی طرح جو یہاں آکر اس برائی کو دیکھ کر برا سمجھتے، لیکن کرتے کچھ نہیں۔

NOVEL HUT

"حلیل! ہم نے ہمیشہ سے یہی سنا ہے نا کہ اللہ ہم انسانوں سے سب زیادہ محبت کرتا ہے۔ اللہ ہمیشہ انصاف کرتا ہے۔" اس نے رک رک کر، سوچ سوچ کر کہا، اسے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ وہ کہاں سے شروع کرے۔

"ہاں! ایسا ہی ہے۔"

"تو پھر اچھے لوگوں کے ساتھ "اچھا" ہی کیوں نہیں ہوتا؟" وہ لحظے بھر کے لیے رکا۔

"اور کیوں بُرے لوگوں کے ساتھ سب اچھا ہوتا ہے؟" پھر مزید پوچھا۔

"ایک سوال پوچھوں؟ جواب دو گے؟" حلیل نے رک کر، اسے بغور دیکھا۔

"اچھے لوگوں کے ساتھ کیا برا ہوتا ہے؟ کیا تم مجھے بتا سکتے ہو۔" ازلان نے طنزو استہزا سے سر جھٹکا۔

"تمہیں نہیں معلوم؟" پھر طنزیہ مسکان چہرے پر پھیلائے بولا۔ حلیل نے نفی میں سر ہلا دیا، وہ جواباً اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہنے لگا۔

"اچھے لوگ بہت معصوم ہوتے ہیں۔ وہ اکثر دولت سے محروم رہ جاتے ہیں۔ جہاں آج کل کئی "جوکرز" (اور جوکرز سے اس کا مطلب یقیناً اس دور کے مشہور پروگرام "عینک والے جن" کے کردار تھے، اسے یہ پروگرام بالکل پسند نہیں تھا) مشہور ہو رہے ہیں، وہاں بیچارے اچھے لوگ جن کو

خدا نے بہت سی صلاحیتیں بخشی ہیں ، وہ ستائش کے دو لفظ کو بھی ترستے ہیں۔ کئی تو ایسے ہیں جنہیں ظلم کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔" آج اس کی آواز میں حد درجہ کی تکلیف اور شکستگی نمایاں تھی ، حلیل اس کی باتوں کو سمجھ تو رہا تھا ، مگر یہ نہیں سمجھ پا رہا تھا کہ اسے آج ہوا کیا ہے؟

"اور یہ بات تم اچھے سے جانتے ہی ہو گے کہ ان میں سے بہت سو کو انصاف بھی نہیں مل پاتا۔ اور مجرم کو کوئی سزا نہیں ملتی ، الٹا اسے مزید facilitate کیا جاتا ہے۔" وہ بول رہا تھا ، بے حد روانگی سے ، جیسے دل کا سارا ابال الفاظ کے ذریعے امڈ رہا ہو ، اور وہ سن رہا تھا ، بے حد خاموشی سے ، یوں کہ بولنے والے کو لگے کہ وہ اسے بے حد توجہ سے سن رہا ہے۔

"آخر اچھے لوگوں کے ساتھ ہمیشہ برا ہی کیوں ہوتا ہے؟ کیا اچھا ہونا جرم ہے؟" اس کی آواز یک دم روہانسی ہو گئی تھی۔ حلیل نے اب کی بار اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا ، پھر سر ہلاتے ہوئے سمجھنے والے انداز میں ساحل سمندر کے کنارے آ بیٹھا ، ازلان بھی اس کے ساتھ آ کر بیٹھ گیا ، وہ جانتا

تھا، گفتگو کا سلسلہ طویل ہونے والا ہے، لیکن یہ طوالت بے جا نہ ہونے والی تھی۔

"تمہیں کس نے کہہ دیا کہ اچھے لوگوں کے ساتھ ہمیشہ برا ہی ہوتا ہے؟ اور برے لوگوں کے ساتھ ہمیشہ اچھا؟" حلیل نے ابرو سکیڑ کر پوچھا۔

"کیا مطلب؟" اس نے اسے ناسمجھی سے تکا۔

"مطلب یہ کہ۔۔ تم جانتے ہو۔۔ اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ اچھے لوگوں کے ساتھ ہمیشہ "اچھا" ہی کرتا ہے۔ اور برے لوگوں کے ساتھ "برا"۔" وہ کافی نرمی سے، اور یقین سے بولا، آنکھوں میں ایک خاص چمک عود کر آئی۔

"ویسے ایک بات میں واضح کر دوں کہ انسان اچھے یا برے نہیں ہوتے۔۔ یہ ان کے اعمال ہوتے ہیں جو انہیں درحقیقت اچھا یا برا بناتے ہیں۔" وہ ساتھ ہی بولا۔

"اچھا تو پھر اتنی ناانصافیاں کیوں ہو رہی ہیں ہمارے معاشرے میں؟ ہاں؟ خدا تو بہت انصاف کرنے والا ہے نا۔ پھر یہ سب کیوں؟" اس کا لہجہ تیز

تھا۔۔ بے حد تیز۔

"تم جانتے ہو ازلان ! ہماری سب سے بڑی غلطی کیا ہے؟"اس نے ایک گہری سانس لے کر پوچھا۔ ازلان اس سوال کی توقع نہیں کر رہا تھا۔

"ہم اچھائی اور برائی کا فیصلہ دنیا کے نظریے سے کرتے ہیں۔"اس نے اپنے سوال کا جواب نہ پا کر، خود ہی جواب دینے میں عافیت سمجھی۔

"اگر دولت۔۔ شہرت۔۔ نام۔۔ اسٹیٹس۔۔ پاور۔۔ ان سب کا ملنا "اچھا" ہے تو معذرت کے ساتھ یہ بالکل غلط تصور ہے۔" ازلان اسے یک ٹک دیکھے گیا۔

"ہر وہ چیز جو آپ کو آپ کے اصل مقصد کے قریب لے جائے درحقیقت صرف وہی اچھی ہے۔" وہ اپنے ہر لفظ پر زور دیتا ہوا نرمی سے بولا۔

"اور ہمارا اصل مقصد کیا ہے؟"اس نے ابرو اچکائے، چہرے پر ہلکی سی معنی خیز اور نرم مسکان پھیلی تھی۔

"بات تھوڑی لمبی ہو جائے گی۔ تم سننا چاہو گے؟"

"حلیل تم جانتے ہو اگر میں نہ سننا چاہتا تو کب کا یہاں سے جا چکا ہوتا۔"

اس نے فوراً کہا۔

"جانتا ہوں۔ پھر بھی پوچھ لیا۔ کیونکہ مجھے نہیں پسند کہ کوئی شخص زبردستی یا نہ چاہتے ہوئے بھی میری وہ باتیں سنے جو اسے فائدہ دے سکتی ہیں۔ تمہیں تو پتا ہی ہے، کچھ لوگوں کو اگر کوئی کام کی بات بتائی جائے تو انہیں لگتا ہے کہ ہم انہیں لیکچر دے رہے ہیں۔ بس اسی لیے میں کچھ سمجھانے سے پہلے دوسرے سے پوچھ لیا کرتا ہوں کہ آیا وہ میری بات سننا بھی چاہتے ہیں یا نہیں۔" اس نے وضاحت دی تو ازلان نے سمجھنے والے انداز میں گردن کو جنبش دی۔ وہ اب اسے سننے کا منتظر تھا۔

حلیل نے ایک سانس باہر کی طرف خارج کی، اور سورج کی کرنوں سے چمکتیں ساحل سمندر کی لہروں کو دیکھنے لگا، پھر کہنا شروع کیا۔

"اللہ قرآن کی سورۃ الذاریات میں فرماتا ہیں کہ

"اور میں نے جنوں اور انسانوں کو پیدا نہیں کیا مگر اس لیے کہ وہ میری عبادت کریں۔"

ازلان شہادت کی انگلی سے ریت پر کئی نقش و نگار بنا رہا تھا، مگر اس کا دل و دماغ اس کے الفاظ کی جانب مکمل طور پر متوجہ تھا۔

"اس آیت کے شروع میں اللہ تعالیٰ باقی تمام مقاصد کی نفی فرمانے کے بعد انسانوں کو ان کے "اصل" اور "واحد" مقصد کے بارے میں آگاہ کرتے ہیں۔" چند ثانیے سرکے، پھر اس نے پوچھا۔

"اور۔ وہ واحد اور اصل مقصد کیا ہے؟" ازلان نے سوال کا جواب نہ جانتے ہوئے نفی میں سر ہلا دیا۔

"اللہ کی عبادت کرنا۔ اللہ کے نزدیک ہونا۔ اللہ سے سب سے زیادہ

"محبت" اور "عشق" کرنا۔" وہ کتنا خوبصورت بولتا تھا نا، بلکہ یہ اللہ کا ذکر تھا جو اس گفتگو کو بے حد پر اثر اور خوبصورت بنا رہا تھا۔

"اس طرح ہر وہ چیز "اچھی" ہے جو ہمیں "اللہ" کے قریب لائے اور ہر وہ چیز "بری" ہے جو ہمیں اللہ سے "دور" لے جائے۔ سمجھ آئی؟" اس نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بے حد اپنائیت اور خلوص سے بھرے لہجے میں کہا۔ ازلان نے ریت پر سے نگاہیں ہٹائیں، اور اسے دیکھا، پھر ذرا سا مسکرا کر سر اثبات میں ہلا دیا۔

"یہ دنیا تو ایک سراب ہے۔ ایک خواب۔ جو بہت جلد ختم ہو جائے گا۔ پھر ہم جا گیں گے۔ جانتے ہو کس جہاں میں؟"اس سوال کا جواب وہ جانتا تھا، مگر خاموش رہا، وہ اس کا جواب بھی حلیل کی زبان سے ہی سننا چاہتا تھا۔

"وہ جہاں جو لافانی ہے۔ جو پرایا نہیں۔" اس کی آواز یک دم بلند ہو گئی تھی۔ وہ کھڑا ہوا اور بازو ہوا میں لہرا کر بولا۔

"وہ جہاں جو حقیقت ہے۔" پھر آنکھیں لمحے بھر کے لیے بند کیں، اور فضا میں مچلتی ہوا کے ساتھ ریت کی اور ساحل سمندر کی خوشبو کو محسوس کیا۔کئی لمحے چپ چاپ کٹتے رہے، پھسلتے رہے، ازلان خلاء میں یونہی دیکھتا رہا۔ وہ اس کی بات سمجھ رہا تھا۔۔ بہت اچھے سے۔

"اس لیے ازلان ! اگر دولت اور اسٹیٹس کا ملنا۔۔ شہرت اور جائیداد کا حصول انسان کو اللہ سے دور لے جائے تو اس سے بڑی تباہی اور کوئی نہیں ۔" اس کے قریب بڑھ کر اس نے کہا۔

"اسی طرح اگر دولت۔۔ شہرت۔۔ اسٹیٹس اور جائیداد کا چھن جانا انسان کو خدا کے قریب لے آئے تو اس سے زیادہ اچھا اور کیا ہے؟" اور یہ سن کر ازلان ایک بار پھر معنی خیز انداز میں مسکرا دیا۔اس کا چہرہ پہلے سے کافی کھلا کھلا لگ رہا تھا، جیسے کسی ساحل کو صحرا میں آب میسر آگیا ہو۔

"اور خدا "اچھائی یعنی اپنا قرب" صرف اچھے لوگوں کو ہی عطا کرتا ہے۔ یا یہ کہنا بہتر ہو گا کہ اپنا قرب وہ ان لوگوں کو عطا کرتا ہے جو اچھے اعمال بجا لاتے ہوں۔" وہ اس کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھتا ہوا بولا۔

"اور "برائی یعنی خود سے دوری" صرف برے لوگ یا پھر وہ لوگ جو برے اعمال بجا لاتے ہوں، ان کے نصیب کرتا ہے۔"

"سب سے بڑی کامیابی اور اچھائی تو اللہ کے نزدیک ہونا ہے۔" اس نے کتنے نرم لہجے میں کہا تھا یہ سب، ازلان کا دل کر رہا تھا کہ آج وہ یونہی بولتا رہے، اور وہ صرف اسے خاموشی سے سنتا رہے۔

"تمہارے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی معصوم یا اچھے اعمال کرنے والا شخص کسی دنیاوی شے سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے، تو یہ سمجھنا کہ ایک اچھے انسان کے ساتھ کچھ برا ہوا ہے۔ یہ دراصل ایک سراب ہے۔ ہے نا؟" اس نے سوچ سوچ کر پوچھا۔

"ہاں! بالکل ایسا ہی ہے۔ اور یہ سراب کس کا نتیجہ ہے؟" حلیل نے

کھڑے ہوتے ہوئے پوچھا، وہ بھی اس کے ساتھ ہی کھڑا ہوا۔

"دنیا کے غلط نظریے کا۔" ازلان نے معنی خیزی سے جواب دیا، حلیل نے اس کے کندھے تھپتھپائے۔

(کتنا اچھا لگتا ہے نا! جب آپ کسی کو کچھ سمجھانا چاہے اور دوسرا اسے اچھے سے سمجھ بھی لے۔)

"دراصل ہمیں اپنا معیار بدلنے کی ضرورت ہے۔ کسی بھی دنیاوی شے کو ہمارا معیار نہیں ہونا چاہیئے۔ ہمارا معیار بلند ہونا چاہیئے۔ میرے پاس کیا ہے اور کیا نہیں، اس کی صرف اتنی اہمیت ہے کہ اس شے کا حاصل ہونا یا نہ ہونا ہمیں اللہ کے کتنا قریب یا دور لے کر جاسکتا ہے۔" اس نے مختصر سا وقفہ لیا، پھر کہنا شروع کیا۔

"اسی لیے رسول ﷺ نے فرمایا (اس نے یک دم مؤدب سے انداز میں اپنے سینے پر ہاتھ رکھا، پھر لحظے بھر کے بعد ہٹایا۔)

NOVEL HUT

"مومن کا معاملہ عجیب ہے، اس کے لیے ہر چیز میں بھلائی ہے جو اس کے لیے بہتر ہے، اور اگر اسے کوئی مصیبت پہنچے تو وہ صبر کرتا ہے جو اس کے لیے بہتر ہے۔" وہ ٹھہر ٹھہر کر بول رہا تھا۔

اب وہ دونوں ساحل سمندر کے کنارے ٹہلنے لگے تھے۔

"اس حدیث سے ہمیں کیا بات معلوم ہوئی؟"اس نے پوچھا تو ازلان نے سوالیہ انداز میں ابرو اچکا کر اسے دیکھا۔

"یہی کہ کسی بھی شے کو اس کے "ظاہر" سے ہی نہیں بیان کر لیتے۔ بلکہ ہر شے کو اس کے "باطن" سے بیان کیا جاتا ہے۔ہر وہ شے اچھی ہے جس کا باطن اچھا ہے۔اور ہر وہ شے بری ہے جس کا باطن برا ہے۔" کتنے گہرے الفاظ تھے اس کے، اور کتنے خوبصورت۔ سچ کہتے ہیں وہ الفاظ جو حق کو ظاہر کریں، ان سے زیادہ پر اثر اور فائدہ مند کوئی الفاظ نہیں ہو سکتے۔

"اسی طرح ہر وہ شے اچھی ہے جو آپ میں "صبر" اور "شکر"پیدا کرے، جو

آپ کو رب کے قریب کرے اور آپ کے دل میں خدا کی محبت بڑھائے۔" وہ مستعدی سے کہہ رہا تھا۔

(فاصلے پر منڈلاتے اونٹ پر سوار بچوں میں موجود بچہ جو کچھ دیر پہلے گلا پھاڑ پھاڑ کر رو رہا تھا، وہ اب خوشی سے قہقہے لگا رہا تھا، وہ خوف کے سراب سے آزاد ہو چکا تھا، بالکل آزاد کیونکہ اس پر حق آشنا ہو گیا تھا۔)

"اللہ تعالیٰ قرآن کی سورۃ طٰہٰ کی آیت نمبر 131 میں فرماتے ہیں:

اور اپنی آنکھیں ان چیزوں کی طرف ہرگز نہ اٹھا جو ہم نے ان کے مختلف قسم کے لوگوں کو دنیا کی زندگی کی زینت کے طور پر برتنے کے لیے دی ہیں، تاکہ ہم انہیں اس میں آزمائیں اور تیرے رب کا دیا ہوا سب سے اچھا اور سب سے زیادہ باقی رہنے والا ہے۔"وہ محو سا ہو کر بول رہا تھا، اور وہ محو سا ہو کر سن رہا تھا۔(وہ حیران بھی تھا، کیسے حلیل ابراہیم کو قرآن کی آیات اور اس کے ساتھ ساتھ حدیثیں بھی اتنے اچھے سے یاد تھیں۔)

"لافانی زندگی تب شروع ہو گی جیسے ہی ہماری روح اِس جہاں سے رخصت ہو جائے گی۔ اور صرف تب ہی ہمیں احساس ہو گا کہ "وہ دنیا جس سے ہم رخصت ہو کر یہاں آئے ہیں، وہ صرف ایک سراب تھی۔ ۔ایک خواب ۔ پھر چاہے وہ خواب دنیاوی نظریے سے اچھا ہو یا برا، وہ تھا تو ایک خواب ہی۔" اور اس نے اپنی بات کا اختتام کیا، پھر مسکرا کر ازلان کو دیکھا جس کے چہرے سے نا امیدی، شکستگی، بے چینی اور مایوسی اب زائل ہو چکی تھی۔یہی حال اس کی قلب کی ہستی کا بھی تھا۔اس نے اسے شکریہ نہیں کہا،

کیونکہ اس کے مطابق دوستی میں شکریہ اور معافی مانگنے جیسے کوئی الفاظ سانس نہیں لیتے، اور اگر یہ دو الفاظ دوستی کے رشتے میں قدم رکھ لیں، تو دوستی دوستی نہیں رہتی۔

"یہ سب تو مجھے سمجھ آگیا حلیل۔" اس کی آنکھیں یک دم شرارت سے چمک اٹھیں۔

"مجھے بتاؤ میری ہونے والی بھابھی کہاں ہیں جن کے ساتھ تم یہاں آئے ہو؟ دیکھو میں یقین نہیں کر سکتا کہ تم یہاں صرف میرے کہنے پر آئے ہو۔" وہ بولا تو حلیل کھل کر ہنس دیا۔

"مجھے یہ سن کر ایک بات اچھے سے معلوم ہو گئی ہے۔" وہ ایسے ہی ہنستا ہوا بولا۔

"کیا؟" وہ جانتا تھا کہ وہ کیا کہنے والا ہے۔

"یہی کہ میری کوئی بات تمہارے پلے نہیں پڑی۔"

("یہی کہ میری ہر بات تمہارے پلے پڑ گئی ہے۔")

"کیونکہ اگر میری بات تمہارے پلے پڑ گئی ہوتی تو تم ایسا نہ کہتے۔" ازلان قہقہ لگا کر ہنس دیا۔

("کیونکہ اگر میری بات تمہارے پلے نہ پڑی ہوتی تو تم ہمیشہ کی طرح یوں باتیں نہ کرتے، بلکہ کچھ دیر پہلے کی طرح مایوس اور نا امید رہتے۔")

"میں اب چلتا ہوں۔ کافی دیر ہو رہی ہے۔ ٹھیک ہے۔" اس نے کلائی میں بند ھی گھڑی پر وقت دیکھا۔

"ہاں یار ٹھیک ہے۔ میں بھی چلتا ہوں بس۔ تمہاری طرح ویلا تو نہیں ہوں نا۔ بہت بزی ہوتا ہوں میں۔" وہ پہلے کی طرح ہی شوخی سے کام لیتا ہوا بولا۔ حلیل اسے طنز و استہزا سے مسکرا کر دیکھنے لگا۔

"ہاں بھئی! صرف تم ہی بزی ہوتے ہو۔ باقی ہر کوئی تو ویلا ہی ہوتا ہے۔" ازلان نے جواباً سر کو اثبات میں جنبش دی۔ وہ محض سر جھٹک کر مسکرا کر رہ گیا۔

اس نے ازلان سے نہیں پوچھا کہ وہ کس بات پر پریشان تھا، وہ جانتا تھا، اگر اس نے ابھی بتانا ہوتا تو بتا دیتا، اب اگر اس نے نہیں بتایا تو اس کی مرضی۔ لیکن وہ یہ بھی اچھے سے جانتا تھا، کہ کچھ دنوں میں ہی وہ اسے سب

کچھ ضرور بتائے گا، آخر ان کی دوستی اسکول کے زمانے سے تھی، اتنا تو وہ اسے جانتا تھا۔

* * * * * * * * *

نور النسا کے گھر سے وہ اور مشعل کیک کاٹنے کے بعد شام تک ہی واپس آ گئی تھیں۔ حالانکہ نور اور اس کے بابا نے کافی اصرار کیا تھا کہ وہ دونوں رات کا کھانا کھا کر ہی جائیں، لیکن اتنی دیر کے لیے رکنا مناسب نہ تھا۔ کہنے کو تو وہ دونوں ہر وقت نور النسا کے گھر ہوتیں، لیکن در حقیقت ایسا نہیں تھا۔ وہ تینوں اپنی اس دوستی کے دائرے میں توازن رکھا کرتیں۔ یہ تو صرف مذاق مذاق میں ہی وہ ایک دوسرے کو ہر وقت ایک دوسرے کے گھر ہونے کا طعنہ دیا کرتیں۔ مگر ایسا اصل میں نہ تھا۔ کبھی وہ تینوں نشرح کے گھر مل لیا کرتیں، کبھی مشعل کے گھر تو کبھی نور النسا کے ہاں۔

لیکن کبھی کسی ایک پر بوجھ نہیں ڈالا۔ اور ایسا نہیں تھا وہ آئے روز ملا کرتیں، کبھی کبھی کئی کئی دن تو کبھی ہفتے گزر جایا کرتے، لیکن جب بھی ملتیں، ہمیشہ اتنی ہی اپنائیت اور خلوص سے ملا کرتیں۔

(دوستی یا کسی بھی رشتے میں اگر توازن نہ ہو تو اس رشتے کو برقرار رکھنا کٹھن ہو جاتا ہے۔

وہ ایک نامور شیخ "تاپتک ایمرے" کیا کہتے ہیں؟

"کسی جگہ اگر دوبارہ جانے کو دل چاہے تو وہاں جانے میں وقفہ کر لینا چاہیئے۔ ورنہ اگر ایک ہی شاخ پر جا کر دو دن بیٹھو گے تو لوگ سمجھے گے کہ اس کا کوئی اپنا ٹھکانہ نہیں۔)

نشرح گھر لوٹی تو رات کا کھانا اپنے چھوٹے بھائی "دانیال ابرار" اور اپنی والدہ جو کہ اس عمر میں بھی جاب کر رہی تھیں، ان کے ساتھ ہی کھایا۔ جو کوئی بھی نشرح کو دیکھتا اور اگر وہ اس کی والدہ سے بھی ملا ہوتا، تو یہی کہتا کہ

نشرح شکل و صورت میں بالکل اپنی ماں پر گئی ہے، لیکن اس کے عادات و خصائل زیادہ تر باپ سے ملتے۔

دانیال نے میٹرک کے امتحان دینے تھے۔ وہ نشرح کی طرح لائق فائق نہیں تھا، بلکہ ایک ایورج اسٹوڈنٹ تھا۔

نشرح کی والدہ جس فرم میں کام کر رہی تھیں، وہاں کام کرتے ہوئے انہیں چھ سال ہونے والے تھے۔ تنخواہ بھی کافی اچھی تھی، اس کے ساتھ ساتھ انہیں اپنے مرحوم والد کی پنشن بھی آتی رہتی، لیکن وہ پنشن اتنی زیادہ نہیں تھی۔

ان کا گزارہ اچھے سے ہو جایا کرتا، نشرح بھی گھر میں رہ کر ٹیوشنز پڑھایا کرتی، اس نے یہ کام اپنے والد کے اس جہاں سے رخصت ہونے کے بعد شروع کیا تھا جب وہ کالج میں تھی، اس کے باوجود اس نے ایف اے میں ٹاپ کیا

تھا۔ وہ چاہتی تو ڈاکٹر یا انجینیر جیسے کسی شعبے میں جا سکتی تھی، مگر اس کی ان شعبوں میں دلچسپی نہ تھی۔

ان کا گھر ایک متوسط (مڈل کلاس) علاقے میں تھا۔ یہ ان کا اپنا گھر تھا جو ان کے مرحوم والد "ابرار فیض" نے مرنے سے پہلے اپنی بیوی یعنی نشرح اور دانیال کی والدہ کے نام منتقل کر دیا تھا۔

یہ دو منزلہ مکان تھا، جس کے اوپر ایک کشادہ سی چھت بھی تھی، اس کی بالائی منزل کچھ ماہ پہلے ہی کرائے پر چڑھی تھی، لیکن اسی ماہ کرائے داروں نے یہ گھر چھوڑ دیا، وجہ اس گھر کی کوئی خامی یا نقص نہ تھا، بلکہ جو لوگ یہاں کرائے پر رہنے آئے تھے، انہیں یہ شہر چھوڑ کر جانا پڑا، کیونکہ ان کا تبادلہ کسی اور شہر میں ہو گیا تھا۔

نشرح کی والدہ آج کل نئے کرائے داروں کی تلاش میں تھیں، اور ساتھ ساتھ جاب کے معاملات بھی بخوبی سر انجام دیتیں۔ گھر کے کام وہ، نشرح اور دانیال مل بانٹ کر کیا کرتے۔

معیارِ فانی کے ساتھ ہرگز نہ چل تو

یسر ہوگا محض خسارہ ہی خسارہ

رات کا کھانا کھا کر وہ اور نشرح ٹی وہ لاؤنج میں بیٹھے تھے۔ دانیال فرش پر بچھے قالین پر بیٹھا، چہرہ ہتھیلیوں پر گرائے، محو سا ہو کر ٹی وی پر کوئی ہالی ووڈ فلم دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں سیاہ تھیں، نشرح اور اپنی ماں جیسی، چھوٹے کٹے بال بھی اسی رنگ کے تھے، اور چہرے کی رنگت گندمی تھی، بالکل اپنے باپ جیسی۔

نشرح کچھ دیر پہلے ہی عشاء کی نماز پڑھ کر آئی تھی، اور اب بڑے صوفے پر بیٹھے، تصوف پر کوئی کتاب پڑھ رہی تھی۔ امی اس وقت سونے چلی گئی

تھیں۔ لاؤنج میں ایک دیوار پر لٹکی وال کلاک پر رات کے گیارہ بج رہے تھے۔ کل اتوار تھا، دانیال کو صبح اسکول بھی نہیں جانا تھا، اس لیے وہ بے فکری سے ٹی وی دیکھ رہا تھا۔

("ویسے صبح اتوار نہ بھی ہوتا تب بھی اس نے کون سا کوئی جلدی سو جانا تھا؟ آج کل کی جنریشن کی روٹین، ہونہہ!۔" نشرح اکثر ناگواری سے کہا کرتی۔)

"اف یہ لڑکی کتنی کالی ہے۔ بہت ہی بد صورت ہے، اللہ معاف کرے!۔" دانیال ٹی وی کی اسکرین پر چلتے مناظر کے درمیان ایک لڑکی جس کا رنگ کافی گہرا تھا، وہ سیاہ فام تھی، اس کو دیکھ کر ناگواری اور تمسخر اڑانے والے انداز میں بولا۔

نشرح نے حیرت سے اسے دیکھا، پھر کتاب بند کر کے ایک طرف رکھی، اور صوفے سے اٹھ کر اس کے پاس قالین پر آ بیٹھی۔

NOVEL HUT

"دانیال ! ہر انسان خوبصورت ہوتا ہے۔ اللہ نے ہر انسان کو" بہترین تقویم "پرپیدا کیا ہے۔"اس نے نرمی سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا، وہ اسے سننے لگا، اپنی بڑی بہن کو سننا اسے پسند تھا، اس نے رموٹ اٹھا کرٹی وی کی آواز میوٹ کر دی۔

"یہ تو لوگوں کے بنائے گئے محدود اورتنگ نظر معیارات ہوتے ہیں جو لوگوں کو خوبصورتی اور بدصورتی کے کٹہرے میں لا کھڑا کرتے ہیں۔ اس لیے ہمیں کسی کی بھی شکل و صورت یا کسی بھی شے کا مذاق نہیں اڑانا چاہیئے۔ کیونکہ خلق کا مذاق اڑانا خالق کے مذاق اڑانے کے مترادف ہے۔"اس نے وقفہ لیا، پھر نرمی سے بولی۔

NOVEL HUT

"اس لیے کیونکہ ہر شے کو بنانے والی ذات تو اللہ کی ہے، اور ہم اگر کسی کا مذاق اڑائے کہ اس کا رنگ سیاہ ہے یا اس کی آنکھیں عجیب ہیں وغیرہ وغیرہ، تو ہمیں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اسے ایسا بنانے والی ذات تو اللہ کی ہے نا، ہم کون ہوتے ہیں اس کی تخلیق پر سوال کرنے یا اس کا مذاق اڑانے

والے؟"اس نے مزید کہا، دانیال نے سمجھے والے انداز میں سر ہلا دیا۔ وہ اب اٹھی، اور دوبارہ صوفے پر جا بیٹھی، ایک طرف پڑی کتاب اٹھائی اور اس کا مطالعہ کرنے لگی۔

دانیال نے ٹی وی کی آواز بحال کی، اور پہلے کی طرح ہی محو سا ہو کر فلم دیکھنے لگا۔ چند ثانیے بعد وہ سیاہ فام لڑکی کا کردار دوبارہ اسکرین پر نمودار ہوا تو دانیال بولا۔

"واؤ! کتنی gorgeous (شاندار) ہے یہ، مجھے تو اس کی ایکٹنگ (اداکاری) بے حد پسند آئی۔" اس نے قدرے بلند آواز میں کہا، نشرح سمجھ گئی تھی، اس نے مسکرا کر سر جھٹکا اور دوبارہ کتاب پڑھنے لگی۔

گردشِ دوراں نے کیا جو ہمیں خالق سے دور

ہوئے جو اُس سے دور، ہوئے خود سے دور

اب لاہور کے اس متوسط علاقے سے نکل کر، تھوڑا دور آؤ، سڑکیں عبور کرو، کئی گھر اور عمارتیں پھلانگو، تو یہ ایک پوش علاقے کا منظر تھا۔

یہ علاقہ بالکل ویسا ہی تھا جہاں نور النسا رہا کرتی، ایسے میں اس اونچی تین منزلہ عمارت کے اندر نگاہ دہراؤ، تو ہر طرف سکینت اور خاموشی کا بسیرا تھا، ہر کوئی اپنے اپنے کمرے میں تھا، یہاں گیارہ بجے تک بچوں کے علاوہ باقی بڑے سب نیند کی وادیوں میں گم ہو جایا کرتے۔

اس خوبصورت گھر کی دوسری منزل تک زینے چڑھ کر آؤ، اور سب سے پہلے آنے والے کمرے کے اندر جھانکو، تو مشعل ریاض بیڈ پر نیم دراز، گود میں لیپ ٹاپ رکھے، کانوں میں ہینڈز فری اڑسے، کوئی سیزن دیکھ رہی تھی۔گہرے بھورے رنگ کے بال کھلے تھے جو اس نے چہرے کے ایک طرف کو کیے ہوئے تھے، عینک کے پیچھے سے آشکار ہوتیں ہلکے بھورے رنگ کی آنکھیں لیپ ٹاپ کی اسکرین پر جمی تھیں۔

NOVEL HUT

کمرے کی ساری بتیاں روشن تھیں ۔ دائیں طرف کھڑکی سے کچھ ہی فاصلے پر ایک بڑی اونچی سی بک شیلف رکھی تھی جو کتابوں سے بھری پڑی تھی، اس میں موجود ساری کتابیں دراصل اردو ادب کے اعلیٰ معیار کے ناولز تھے۔ اس کے مقابل دیوار پر خوبصورت فریمز میں خطاطی کے بہت سے پرکشش نمونے سجے تھے، اور کچھ فریمز میں بے حد پرفتن اور حسین پینٹنگز نصب تھیں۔

رات ڈھلتی رہی ،ڈھلتی رہی ، اور وہ رات بھر سیزن دیکھتی رہی۔ وقت کا اندازہ ہی نہ ہو سکا، یا شاید وقت اس کے ہاتھ سے نکل رہا تھا۔

فجر کی اذان سے جب لاہور کی تمام مساجد کے اسپیکرز گونج اٹھے ، تو کانوں میں اڑسی اس کی ہینڈز فری کے اندر مؤذن کی آواز گونجی۔

اللہ سب سے بڑا ہے۔

اللہ سب سے بڑا ہے۔

اس نے لیپ ٹاپ کی چند کیز دبائیں، پھر ہینڈز فری کانوں سے نکالیں، اور لیپ ٹاپ ایک طرف کو رکھا، پھر گھڑی پر وقت دیکھا۔

اللہ سب سے بڑا ہے۔

اللہ سب سے بڑا ہے۔

عینک اتار کر اس نے آنکھیں ملتے ہوئے لیپ ٹاپ کی اسکرین بجھائی، اور اسے سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا، ہینڈز فری اور عینک دراز میں پھینکیں، اور چت سے بستر پر لیٹ گئی۔ آنکھیں شبِ بیداری اور زیادہ نظر لگانے کے باعث سرخ پڑی تھیں، چہرے پر بھی تکان چھائی تھی۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

NOVEL HUT

اس نے یک دم آنکھیں میچ لیں، دل میں عجیب سی چبھن ہونے لگی ، وہ اس تکلیف کی عادی تھی۔ لیکن ہر مرتبہ اس کے دل میں یہ تکلیف پہلے سے کم ہونے کی بجائے، کئی گنا بڑھ کر ہوا کرتی۔

کرب سے آنکھیں کھولیں تو اس کی سرخ پڑی آنکھوں میں نمی تھی، بے حد نمی۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔

وہ بستر سے اٹھ کھڑی ہوئی، اور قدم قدم چلتی دروازے تک گئی ، ایک گہری سانس لے کر اس نے دروازہ کھولا، اور چند قدم آگے بڑھتے ہوئے ایک دم رکی۔ سامنے ایک کمرہ تھا، اس کی دادی کا۔ اس نے کش مکش کا شکار ہوتے ہوئے چند لمحے کچھ سوچا ، پھر بے حد دھیرے سے اس دروازے کو کھولا اور اندر جھانکا۔

NOVEL HUT

کمرے میں لیمپ کی مدھم سی اور میٹھی سی روشنی پھیلی تھی ،فرش پر جائے نماز بچھائے ، وہ ضعیف وجود اللہ کی بارگاہ میں ہاتھ اٹھائے ، اشک بہاتے ہوئے دعا کر رہا تھا۔

آؤ نماز کی طرف۔

آؤ نماز کی طرف۔

وہ ہمیشہ سے سوچا کرتی تھی، آخر دادی کو اللہ نے سب کچھ عطا کیا ہے، ان کی ساری اولاد کے مالی حالات بے حد اچھے ہیں، سب بے حد کامیاب ہیں ، اعلیٰ تعلیم حاصل کر چکے ہیں، اس سب کے باوجود ایسا کیا ہے کہ وہ ہر مرتبہ نماز پڑھنے کے بعد دعا میں یوں اشک بہایا کرتی ہیں؟

لیکن شاید، اس سوال کا جواب اس کے پاس تھا ، مگر وہ یہ قبول نہیں کرنا چاہتی تھی ، وہ تو اپنے ماضی کو بالکل بھلا دینا چاہتی تھی، یہ مانے بغیر کہ جب

ایک انسان اپنے ماضی سے سیکھنے کی بجائے اسے بھلا دے، تو وہ در حقیقت خود کو بھلا دیتا ہے۔

آؤ کامیابی کی طرف۔

آؤ کامیابی کی طرف۔

اس نے دروازہ بنا کسی قسم کی آواز کیے بند کیا، اور تیزی سے اپنے کمرے میں آئی۔ اسے سانس لینے میں دشواری ہو رہی تھی، ذہن کے پردوں پر کچھ دھندلے مناظر لہرانے لگے۔ اس کے نرم سے ہاتھوں پر وہ سرخ سرخ تکلیف دہ نشان، اس کا کم عمر وجود جو نماز پڑھ رہا تھا، پھر وہی وجود جو رات کی تاریکی میں بستر پر لیٹا، تکیہ منہ پر دبائے کرب اور تکلیف کے عالم میں آنسو بہا رہا تھا اور ایسا لگتا جیسے وہ بنا آواز کے چیخ رہا ہو، وہ معصوم چہرہ جو بری طرح سے زخمی تھا بلکہ اس کا تو تن من نیل و نیل پڑا تھا۔

NOVEL HUT

اس کا سر چکرانے لگا ، وہ لمبے لمبے سانس لیتی بستر پر آکر لیٹ گئی ، سائیڈ ٹیبل پر رکھا لیمپ بجھا دیا، پھر کرب اور وحشت زدہ سا ہو کر کروٹ لی اور آنکھیں زور سے میچ لیں، وہ سونا چاہتی تھی، دل ۔۔ دماغ اور روح اس پرائی ہستی سے فرار چاہتا تھا، لیکن تکلیف ہر بار عود کر آتی۔

نماز نیند سے بہتر ہے۔

نماز نیند سے بہتر ہے۔

اس نے ساتھ رکھا تکیہ اٹھایا، اور اسے اپنے کانوں پر رکھ لیا، یوں کہ اذان کی آواز اس کے کانوں میں نہ آئے، لیکن سب بے سود رہا۔

اللہ سب سے بڑا ہے۔

اللہ سب سے بڑا ہے۔

NOVEL HUT

اس کی آنکھ سے نکلتا موتی گالوں کو چھوتا ہوا تکیے میں جا کر جذب ہو گیا۔ وہ یونہی تکیہ کان پر رکھے سسکیاں لے لے کر روتی رہی، دل میں شدید تکلیف ہو رہی تھی، ایسی تکلیف جس کی کوئی پیمائش نہیں کر سکتا۔

اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔

اس کے ذہن کے پردوں پر کئی مناظر واضح ہوتے اور پھر دھندلا جاتے، پھر واضح ہوتے اور پھر دھندلا جاتے، دل۔۔ دماغ اور روح کی اس کشمکش اور جنگ کے دوران، اس کی اشک بہا بہا کر بھاری پڑتی آنکھیں بند ہو گئیں، وجود بے سدھ ہو گیا، روح کو پرائی دنیا سے فرار مل چکا تھا، عارضی طور پر۔

****

NOVEL HUT

(جاری ہے۔)

CONTACT THE AUTHOR

If you want to contact the author we will mention her instagram here

Novel-hut at your service

JazakAllah

writer's instagram : nigha_raheel_official